JAHAN NUMA

۱۷ جنوری ۱۹۶۹ء

پیپلز پارٹی ہر محاذ پر مقابلہ کرے گی

ہفت روزہ
جہاں نما
لاہور

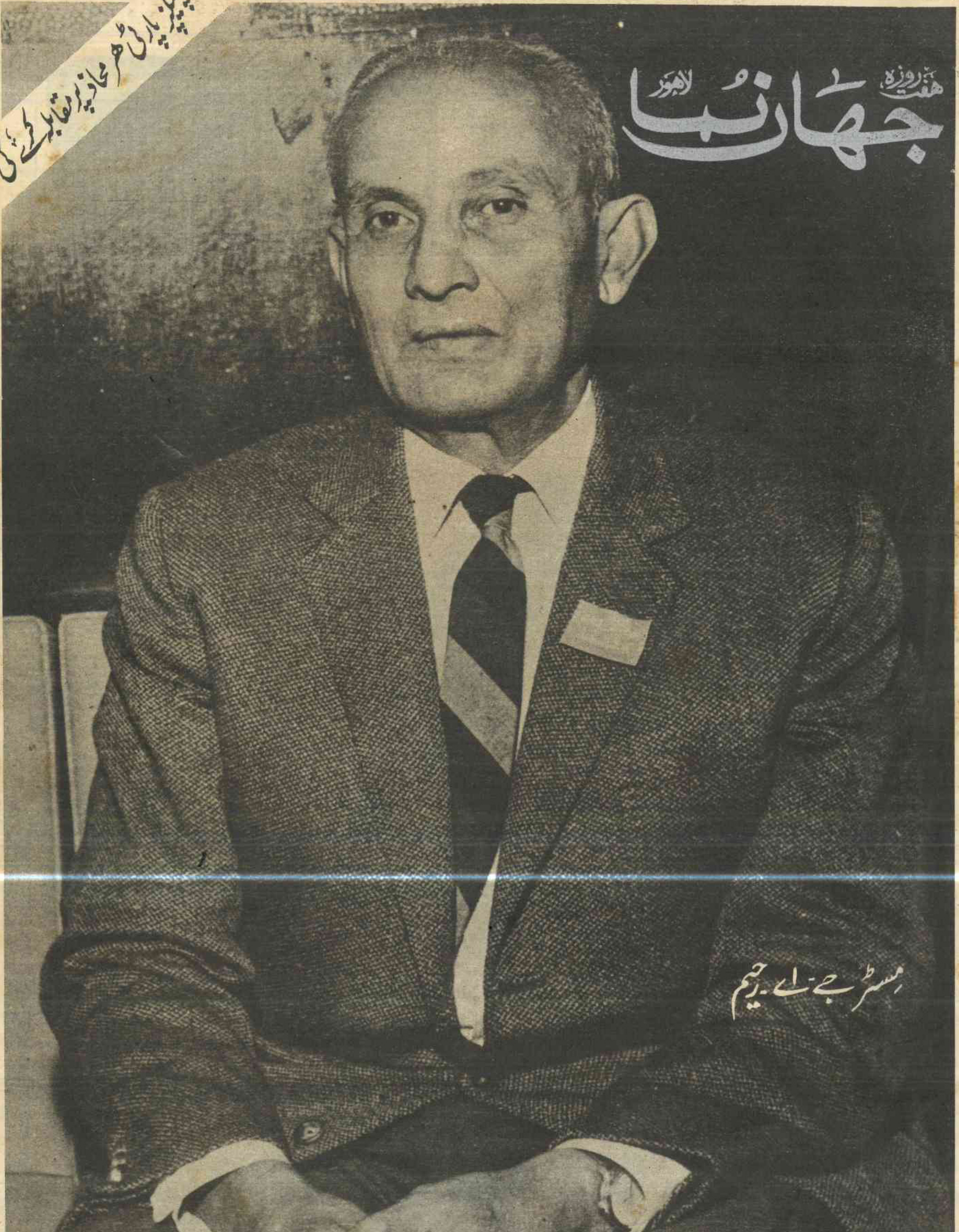

مسٹر جے۔ اے۔ رحیم

رجسٹرڈ ایل نمبر ——— ۶۶۱۵
پوسٹ بکس نمبر ——— ۱۸۴
مقام اشاعت۔ ۳/۲۲ ٹمپل روڈ۔ لاہور

یکدم نکھار

DEW
WITH LANOLIN CREAM

ڈیو ٹائیلٹ سوپ

ڈیو کی بدولت،

آپ کے جسم اور دماغ کی تازگی ڈیو کی مرہونِ منت ہے

ڈیو میں شامل لینولین آپ کی جلد کو نکھارتا ہے

اور حسن کو برقرار رکھتا ہے

AIM FZS 5U 68

رائے آپ کی

ادارے کا مراسلہ نگار حضرات کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں

مولانا مودودی انقلابی مفکر

جہان نما کے گذشتہ شمارے کے مندرجات یوں تو تمام کے تمام بلند پایہ ہیں لیکن مولانا نعیم صدیقی صاحب کی لکھی ہوئی سرورق کہانی اس بار بہت خوب ہے۔ انہوں نے جس انداز سے مولانا مودودی کو ہمارے سامنے پیش کیا ہے وہ واقعی قابلِ تحسین ہے۔ مولانا مودودی کو ایک انقلابی مفکر کی حیثیت سے قوم کے سامنے سب سے پہلے انہوں نے پیش کیا ہے جس کے لئے وہ قابلِ مبارکباد ہیں۔

مولانا مودودی نے جس انداز میں اسلام کی خدمت کی ہے وہ اس بات کی شاہد ہے کہ ان کی فکر واقعی انقلابی ہے۔ آج کے دَور میں اسلام کو مغربی دنیا کے سامنے اس انداز میں پیش کرنا کہ معترضین کو کسی قسم کا اعتراض کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے اور وہ دینِ متین کی صداقت کے قائل ہونے پر مجبور ہو جائیں کچھ مولانا ہی کا حصّہ ہے۔

اس وقت ہمارے ملک میں غیر اسلامی طاقتیں جو فتنہ برپا کر رہی ہیں اور جس طرح سرمایہ داری اور اشتراکیت کو ملک میں مضبوطی کے ساتھ رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اس کا موثر جواب صرف مولانا مودودی کے پاس ہی ہے اور یہ اسلام کی ایک بہت بڑی خدمت ہے۔ یہ ہماری قوم کی بدقسمتی ہے کہ اس قدر عظیم رہنما کی ہم نے اب تک وہ قدر نہیں کی جس کے وہ مستحق ہیں۔

محمد عبداللہ لاہور

مولانا مودودی سرمایہ داری کے حامی ہیں

اس بار آپ کی سرورق کہانی میں مولانا مودودی کو ایک "انقلابی مفکر" کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ جہاں تک میں نے مولانا کی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے اس میں کوئی انقلابی چیز ہمیں نظر نہیں آئی انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس سے قبل متعدد مسلمان مفکروں کے ہاں اس سے زیادہ واضح صورت میں ملتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلے مفکروں نے اپنے آپ کو صرف دین تک محدود رکھا تھا۔ مولانا مودودی نے خود کو سیاسی رہنما بنا لیا ہے اور ایک عالمِ دین کی حیثیت سے ان کو ایک مخصوص طبقے میں جو مقبولیت حاصل ہے اس کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔

جماعتِ اسلامی کے سیاسی مقاصد کا اگر بہ غور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سیاست میں اس جماعت کا کردار رجعت پسندانہ رہا ہے اور اب بھی اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ جماعت آج بھی سرمایہ دارانہ نظام کی حامی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس نے مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے فلسفے کو ذرا بدلے ہوئے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ آج کے دَور میں سرمایہ دارانہ نظام اس قدر بدنام ہو چکا ہے کہ جو حضرات اس کے حامی بھی ہیں وہ بھی کھلے بندوں اس کی حمایت کرنے سے ڈرتے ہیں اور مختلف چور دروازوں سے اس نظام کو ہمارے ملک پر مسلط رکھنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ یہی حال مولانا مودودی کا ہے وہ سرمایہ دارانہ نظام کو اسلامی نظام معیشت ظاہر کر کے عوام کو مسلسل استحصال کا شکار رکھنے کی کوششوں میں مصروف ہیں

ـــــــ پرویز اختر راولپنڈی

انتخابات کا بائیکاٹ

تحریک جمہوریت کی جانب سے آئندہ عام انتخابات کے بائیکاٹ کا فیصلہ کسی طرح بھی دانشمندانہ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ اعلیٰ سیاسی بصیرت رکھنے والے اپوزیشن لیڈروں کی نگاہ میں اس فیصلے کے پس منظر میں کوئی خاص مصلحت ہو لیکن ایک عام شہری کی حیثیت سے کم از کم میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس بائیکاٹ سے قوم اور ملک کو کس طرح فائدہ پہنچے گا؟ یہ صرف میرے خیالات نہیں میں نے اپنے گرد و پیش جس قدر لوگوں سے اس سلسلے میں بات کی ہے سب کے سب اس فیصلے پر حیران ہیں ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ میدانِ جنگ سے اس فرار کو کس طرح عقلمندی یا ملک اور قوم کی خدمت قرار دیں۔

ذاتی طور پر میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو ہر اپوزیشن لیڈر کو ملک کا دشمن قرار دیتے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ واقعی وطن دوست ہیں۔ اپوزیشن کے لیڈروں میں بہت سے ایسے لیڈر ہیں جو اگر سرکاری جماعت میں شامل ہو جاتے تو آج اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور محض اقتدار کی خاطر اپنے اصولوں کو فراموش نہیں کیا۔ ایک مضبوط برسر اقتدار جماعت کی مخالفت میں ثابت قدم رہنا بڑا مشکل ہوتا ہے اور ایسا وہی کرتے ہیں جو واقعی کسی اصول کی خاطر لڑ رہے ہوتے ہیں۔ یہ رہنما اگر چاہتے تو ان کو کیا کچھ نہیں مل سکتا تھا دوسرے ایبڈو زدہ لیڈر بھی تو پاکستان مسلم لیگ میں شامل ہو کر اعلیٰ عہدے حاصل کر چکے ہیں۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا لیکن ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ آج یہ اصول پرست رہنما انتخابات کا بائیکاٹ کر رہے ہیں۔ تو مجھے یہ سوچ کر دکھ ہوتا ہے کہ قوم اور ملک کی جانب سے ان پر جو فرض عائد ہوتا ہے وہ اس سے کوتاہی کر رہے ہیں۔

اگر یہ رہنما قرار واقعی یہ سمجھتے ہیں کہ انتخابات میں شرکت نہ کرنے سے قوم اور ملک کی بہتر خدمت ہو سکتی ہے تو انہوں نے ۱۹۶۵ء میں انتخابات میں کیوں حصّہ لیا تھا۔ اس خدمت کا آغاز پانچ برس قبل کیوں نہیں کیا تھا؟ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ طریقِ انتخابات کے تحت برسرِ اقتدار جماعت کو شکست دینا ممکن نہیں تو انہوں نے پانچ برس قبل ناکام تجربہ کیوں کیا تھا؟

میں آپ کے موقر جریدے کی وساطت سے ان رہنماؤں سے یہ دریافت کرنے کی جسارت کروں گا کہ وہ تمام وجوہات عوام کے سامنے پیش کریں جن کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ اس فیصلے کے بارے میں عوام کی رائے معلوم کریں۔ کیونکہ انہوں نے پاکستانی عوام کی اکثریت کے نمائندوں کی حیثیت یہ فیصلہ کیا ہے۔

اس کے ساتھ میں یہ سوال بھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر عوام نے ان کے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا تو کیا وہ عوام کے اس فیصلے کو قبول کر لیں گے یا عوام پر اپنا فیصلہ ٹھونسنے پر اصرار کریں گے

خواجہ اعجاز الدین۔ لاہور

اپیل

میں ایک نہایت غریب طالب علم ہوں۔ اس سال ایف اے کا امتحان پاس کیا ہے۔ اور اب ہیلی کالج آف کامرس لاہور میں "پی آئی آئی اے" کی کلاس میں داخلہ لینا چاہتا ہوں مگر غریب ہونے کی وجہ سے داخلے اور کتابوں کا خرچ برداشت نہیں کر سکتا جو کہ مبلغ ۲۷۰ روپے ہے۔ لہٰذا میں اہلِ خیر حضرات اور بہن بھائیوں سے مالی امداد کی مخلصانہ اپیل کرتا ہوں تاکہ داخلہ لے کر اپنی تعلیم جاری رکھ سکوں۔

العارض: محمد حسین معرفت دارالسلام لائبریری
باغِ جناح ـــــ لاہور

پاکستان مسلم لیگ اور انتخابات

گذشتہ شمارے میں پاکستان مسلم لیگ کی جانب سے بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات میں حصہ نہ لینے کے بارے میں جناب غلام حیدر کا خط نظر سے گزرا۔ مجھے ان کی رائے سے پورا پورا اتفاق ہے۔ پاکستان مسلم لیگ اب تک محض اس لئے بہ حیثیت جماعت نظر آرہی ہے کہ وہ برسرِ اقتدار ہے اور بہت سارے لوگ محض اس لئے اس میں شامل ہو گئے ہیں کہ اس طرح ان کو حکومت کے اعلیٰ ترین ارکان تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ ان سے مختلف مفادات حاصل کر سکتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس وقت پاکستان مسلم لیگ کی جو قیادت ہے اس میں مخلص کارکنوں کی بہت کمی ہے۔ مختلف سطحوں پر پاکستان مسلم لیگ کے انتخابات جس طرح منعقد ہوئے اور جس طرح بوگس رکن سازی ہوئی اس کی داستانیں عام ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے بڑے سرمایہ دار اور امیدوار اس کی قیادت پر قابض ہو گئے۔ ان کو عوام کے ساتھ کوئی سروکار نہیں ہے۔ ایسی جماعت انتخابات میں عوام کا سامنا کر ہی نہیں سکتی۔

پاکستان مسلم لیگ کو اس سلسلے میں ایک اور مشکل یہ درپیش ہے کہ اس کی صفوں میں خود انتشار ہے۔ پچھلے سال ہم نے اسمبلیوں کے انتخابات کے دوران کیا یہ نہیں دیکھا تھا کہ جس شخص کو پارٹی نے ٹکٹ نہیں دیا۔ اس نے جماعت سے مستعفی ہو کر آزادانہ طور پر انتخابات میں شرکت کی اور بعض اوقات تو سرکاری ٹکٹ پر لڑنے والے امیدواروں کو ناکام بھی کر دیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ منتخب ہونے کے بعد یہ آزاد امیدوار پھر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور اس جماعت نے پارٹی ڈسپلن کی خلاف ورزی کے باوجود بھی ان کے لئے اپنی آغوش کشادہ رکھی۔ جب اسمبلیوں کی سطح پر پاکستان مسلم لیگ کو ایسے مسائل درپیش ہیں تو نچلی سطح پر اس کے لئے یہ کس طرح ممکن ہوگا کہ وہ امیدواروں کو ٹکٹ جاری کرے۔

اس کے علاوہ پاکستان مسلم لیگ کو یہ خطرہ بھی ہوگا کہ اگر وہ بی۔ ڈی الیکشن میں اپنے نمائندوں کی اکثریت کو منتخب نہ کرا سکی تو بعد میں اسمبلیوں اور صدر کے انتخابات میں کامیابی کے امکانات مدھم ہو جائیں گے۔ اگر کسی طرح وہاں پاکستان مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنا بھی لیا گیا تو دنیا یہ سوال کرے گی کہ آخر کیا وجہ ہے کہ انتخابی کالج میں تو پاکستان مسلم لیگ کو اکثریت حاصل نہیں لیکن اس انتخابی کالج نے جن انتخابات میں ووٹ دیئے ہیں۔ وہاں پاکستان مسلم لیگ کامیاب ہو رہی ہے

ان حالات میں میرے خیال میں پاکستان مسلم لیگ کے لئے انتخابات میں اس سطح پر شرکت کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔

شیخ محمد اسلم ۔ لاہور

اساتذہ کے مطالبات

اساتذہ کے مطالبات کی حمایت پر میری طرف سے شکریہ قبول فرمایئے۔ ہر سوسائٹی کی تشکیل کی اہم ترین ذمہ داری استادوں پر ہوتی ہے۔ اسلامی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے آپ کو ہر جگہ استادوں کے احترام کی نہایت تابندہ مثالیں نظر آئیں گی۔ یہ ہماری قوم کی خوش قسمتی ہے کہ ہمارے ہاں استادوں کے احترام کی یہ روایات موجود ہیں۔ اس احترام کی وجہ تھی کہ اسلام نے حصولِ علم پر زور دیا ہے اس کو تمام مسلمان عورتوں اور مردوں کے لئے فرض قرار دیا ہے استاد کیونکہ یہ فرض پورا کرنے کے سلسلے میں افراد کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اور قوم کے نونہالوں کے سینوں کو نورِ علم سے منور کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی احترام کے مستحق قرار دیئے گئے۔ جب ہمارا ملک غلام ہوا تو ایک طرف تو ہمارے بدیسی حکمرانوں نے تعلیم کا معیار ایسا مقرر کیا کہ حصولِ تعلیم اور حصولِ علم دو مختلف چیزیں بن گئیں۔ ہماری درس گاہوں میں جو نصاب پڑھایا جاتا تھا۔ اس کا مطالعہ کسی کو عالم نہیں بنا سکتا تھا۔ علم کی اس بے قدری کے ساتھ ساتھ استادوں کو بھی اس نے احترام کے مسند سے نیچے گرا دیا۔ بدقسمتی سے دورِ غلامی کی یہ دونوں روایتیں آج بھی ہم پر مسلط ہیں اور آزادی کے ۲۲ برس بعد بھی ہم صورتِ حال میں اصلاح نہیں کر سکے۔

آپ سے میری درخواست ہے کہ جہاں آپ اساتذہ کے مطالبات کی حمایت کر رہے ہیں اور ان کو معاشرے میں بلند تر مقام دلانے کے لئے کوشاں ہیں۔ وہاں آپ نظامِ تعلیم میں اصلاح کی جانب بھی اربابِ اختیار کی توجہ مبذول کرائیں۔

جاوید اختر ہمدانی ۔۔۔۔ راولپنڈی۔

ازدفتر جناب چوہدری شاہ محمد صاحب ایڈووکیٹ ٹوبہ ٹیک سنگھ

مسمات فاطمہ بی بی دختر جلال الدین قوم جٹ۔ ساکن چک نمبر ۳۵۸/ج ب۔ تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ (مدعیہ)

بنام: رحمت علی ولد مولاداد قوم جٹ ساکن چک نمبر ۳۵۸/ج ب تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور ... (مدعا علیہ)

دعویٰ تنسیخ نکاح

حسب منشا زیر دفعہ ۸ ضمن (۲) ایکٹ فیملی کورٹ ۱۹۶۴ء مدعا علیہ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کے خلاف مدعیہ مذکورہ نے دعویٰ تنسیخ نکاح بعدالت جناب سول جج صاحب باختیارات جج فیملی کورٹ ٹوبہ ٹیک سنگھ مؤرخہ ۱۱/۱۱/۶۸ دائر کر دیا ہے لہٰذا آپ تاریخ مقررہ پر حاضر عدالت آکر جواب دعویٰ داخل کریں۔ عدم تعمیل کی صورت میں یک طرفہ کارروائی عمل میں لائی جاوے گی۔

(۲۱) (مدعیہ بذریعہ کونسل)

بعدالت جناب خان محمد زمان خان پی۔ سی۔ ایس جج فیملی کورٹ سرگودھا۔

مقدمہ نمبر ۴۷/۱۴۷۔ ۱۹۶۸ء تاریخ پیشی ۳۰/۱/۶۹

مسماۃ نذیراں دختر علی زوجہ دوسہ قوم کیس سکنہ چک نمبر ۱۹ جنوبی تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا۔ بنام

دوسہ ولد شاماں قوم کیس سکنہ مکان نمبر ۱ جوہر کالونی سرگودھا

دعویٰ تنسیخ نکاح

حسب استدعا مدعیہ منشا زیر دفعہ ۸ ضمن (۲) فیملی کورٹ ایکٹ سال ۱۹۶۴ء مدعا علیہ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مدعیہ نے مدعا علیہ کے خلاف دعویٰ تنسیخ نکاح مورخہ ۲/۱/۶۸ کو دائرہ عدالت ہذا کر دیا ہے۔ مدعا علیہ مذکور اندر پندرہ یوم جواب دعویٰ داخل عدالت ہذا کرے ورنہ اس کے خلاف کارروائی یکطرفہ کی جائے گی۔ تحریر ۱/۶۹ء

(دستخط حاکم) (مہر عدالت)

(۱۹)

واپڈا پری کوالی فیکیشن نوٹس!

مختلف سائز کے کلہ جات (KILLAS) کی کیرج " جس کی لاگت کا تخمینہ ۲۰,۰۰۰/- روپے ہے، کے سلسلے میں ٹھیکیداروں کی پری کوالیفکیشن کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں۔ اس کام کے ضمن میں مجوزہ پروگرام کے مطابق تونسہ پنجند لنک کنال کے ساتھ ساتھ مختلف مقامات پر کلہ جات کی کیرج ہے۔ کلہ جات کا تخمینی مقدار ۵۸,۰۰۰ عدد ہے۔

درخواستوں کے ساتھ مندرجہ ذیل منسلک ہوں۔

۱۔ گذشتہ پانچ سالوں کے دوران تکمیل شدہ کاموں خاص طور پر مذکورہ بالا قسم کے کاموں کا زر ٹھیکہ اور وصول شدہ رقم وغیرہ کا گوشوارہ (۲) مذکورہ بالا (۱) گوشوارے کے ثبوت میں انجینئر انچارج جو ایگزیکٹو انجینئر سے کم نہ ہو سے سرٹیفکیٹ کی اصل یا فوٹو کاپیاں دستخط کنندہ ذیل کو ۱/۱۵/۶۹ سے قبل درخواستیں بمعہ دیگر پیش کردہ دستاویزات (جو باقاعدہ تصدیق شدہ ہوں) پہنچ جانی چاہئیں۔

ڈپٹی پراجیکٹ ڈائریکٹر،
تونسہ پنجند لنک سرکل ۔ واپڈا کیمپ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ

INF(L) 90

جہان نما

۱۷ جنوری ۱۹۶۹ء

چیف ایڈیٹر
شریف فاروق

ایڈیٹر
عظیم الرحمان فرقان

فون : ۶۵۸۸۶

سالانہ ۲۵.۰۰ روپے
ششماہی ۱۲.۵۰ "
سہ ماہی ۶.۲۵ "
فی شمارہ ۵۰ پیسے

جلد : ۳ رجسٹرڈ نمبر ایل : ۷۷۱۵
شمارہ : ۴۵ پوسٹ بکس نمبر : ۱۸۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اپوزیشن اور حکومت

ایک غیر جانبدارانہ سیاسی تجزیہ!

اپوزیشن پارٹیوں نے اس وقت ملک کے طول وعرض میں جلسے اور جلوسوں کی جو مہم شروع کر رکھی ہے اسے زیادہ منظم اور واضح پروگرام کی صورت میں بروئے کار لانے کے لئے جمہوری مجلس عمل قائم کی گئی ہے۔ اس جمہوری مجلس عمل میں مندرجہ ذیل آٹھ پارٹیاں شریک ہوئی ہیں:۔

۱۔ مسلم لیگ (کونسل)
۲۔ جماعت اسلامی پاکستان
۳۔ پاکستان قومی جمہوری محاذ
۴۔ عوامی لیگ
۵ نظام اسلام پارٹی

یہ پانچ سیاسی پارٹیاں وہ ہیں جو پہلے ہی سے پاکستان تحریک جمہوریت میں شریک ہیں اور ہر مرحلہ پر ایک دوسرے کا ساتھ دیتی چلی آ رہی اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تین سیاسی جماعتوں نے بھی جمہوری مجلس عمل میں شرکت کی ہے:۔

۱۔ عوامی لیگ (چھ نکات کی حامی)
۲۔ جمعیت علمائے اسلام
۳۔ نیشنل عوامی پارٹی (ماسکو نواز)

ان آٹھ پارٹیوں کی تشکیل کردہ جمہوری مجلس عمل کی طرف سے قومی عوارض اور ان کی نشان دہی کرتے ہوئے کہا ہے !۔

"اپوزیشن پارٹیوں کو اس بات پر یقین ہے کہ موجودہ مطلق العنان شخصی حکومت نے ملک کے وقار کو ختم کر دیا ہے اور قومی زندگی کے ہر پہلو کو برباد کر دیا ہے۔ خصوصاً اسلامی زندگی کے قیام۔ جمہوریت کے احیاء۔ عوامی حاکمیت۔ بنیادی آزادیوں اور بنیادی حقوق کی بحالی سے مسلسل انکار کیا جا رہا ہے"۔

ان عوارض کا جو حل جمہوری مجلس عمل نے پیش کیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہے !۔

- پارلیمانی نظام حکومت قائم کیا جائے۔
- انتخابات بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست کرائے جائیں
- ہنگامی حالات کو فوری طور پر ختم کیا جائے
- تمام کالے قوانین خصوصاً یونیورسٹی آرڈی نینس اور کسی کو بغیر مقدمہ چلائے قید کرنے سے متعلق قانون منسوخ کئے جائیں۔
- تمام سیاسی نظر بندوں، قیدیوں۔ طلباء۔ کارکنوں صحافیوں بشمول مسٹر ذوالفقار علی بھٹو۔ شیخ مجیب الرحمٰن اور خان عبدالولی خان کو رہا کیا جائے۔
- دفعہ ۱۴۴ کے تحت جاری ہونے والے تمام احکام واپس لئے جائیں۔
- مزدوروں کا ہڑتال کا حق بحال کیا جائے۔
- اخبارات پر عائد کردہ تمام پابندیاں ختم کی جائیں نئے ڈیکلریشن دیئے جائیں۔ ضبط شدہ پریس اخبارات اور جرائم واپس کئے جائیں۔

جمہوری مجلس عمل نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا ہے کہ موجودہ غیر جمہوری حکومت نے ایک ایسی پالیسی ترتیب دی ہوئی ہے جس کے باعث ملک کی دولت چند خاندانوں کے ہاتھوں میں مرتکز ہو چکی ہے۔ ملک میں رشوت اور بدعنوانیاں بڑھ گئی ہیں۔ افسر شاہی عوام پر مسلط ہو چکی ہے، اور حکومت نے انتظامیہ کو مختلف گریڈوں اور سیکشنوں وغیرہ میں تقسیم کرنا وتیرہ بنا لیا ہے۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے سترہ جنوری کو سارے ملک میں جلسے منعقد کئے جائینگے۔ اور جلوس نکالے جائیں گے اور دو ماہ کے اندر ہمہ گیر ہڑتال کرنے کی تاریخ طے کی جائے گی

اس تمام جدوجہد کو شروع کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ موجودہ حکومت کو اقتدار سے محروم کیا جائے اور اس کی بجائے یہ آٹھ جماعتیں

سربرآرائے تختِ اقتدار ہو جائیں۔ ہمیں اپوزیشن کے تمام مطالبات سے پورا پورا اتفاق ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ حکومت کو یہ مطالبات تسلیم کر لینے چاہئیں کیونکہ اپوزیشن کی ان پارٹیوں کے قول کے مطابق اسی صورت میں ملک سے موجودہ مطلق العنان شخصی حکومت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اسلامی زندگی قائم ہو سکتی ہے۔ عوامی حاکمیت واپس آ سکتی ہے

ہمارے خیال میں اپوزیشن پارٹیوں کا یہ واہمہ ہے کہ وہ اگر مشترکہ طور پر برسرِاقتدار آگئیں تو ملک کے تمام مسائل یا کم از کم وہ مسائل جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے حل ہو جائیں گے۔ ہر طرف امن واطمینان اور خوش حالی کا دَور دورہ ہو جائے گا یہ ایک ایسی کج فکری ہے جو عمل کے پیمانے میں ناکام ثابت ہو گی۔ اس کی وجہ صاف ہے کہ اگر آج ملک میں اقتدار ان آٹھ پارٹیوں کے سپرد کر دیا جائے تو ان میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے کہ اس کی مثال شاید دنیا کے کسی دوسرے ملک میں مل سکے۔ کونسل مسلم لیگ کا اتحاد عوامی لیگ اور عوامی لیگ کا اتحاد جمیعت علماء اور نظام اسلام پارٹی کا اتحاد نیشنل عوامی پارٹی ماسکو نواز سے ممکن نہیں۔ کسی کا منہ مشرق کی طرف ہے اور کسی کا مغرب کی طرف، اس وقت ان میں جو اتحاد قائم ہے وہ منفی بنیادوں پر ہے اور وہ محض صدر ایوب اور ان کے رفقاء کو اقتدار سے محروم رکھنے کے لئے ہے ان کے درمیان نہ تو کامل ذہنی اور فکری ہم آہنگی ہے اور نہ ہی ان کا مشترکہ سیاسی ڈھانچہ ہے۔ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر ان کے سپرد حکومت کر دی جائے تو ان میں سے کون ملک کا صدر بنے گا۔ کس پارٹی کی طرف سے کون وزیر ہو گا۔ کس کے پاس کون سا پورٹ فولیو ہو گا۔ وہ کس پالیسی پر عمل پیرا ہو گا؟ اقتدار اور اختیار سنبھالنے کے بعد نیشنل عوامی پارٹی ایک یونٹ کو توڑنے اور پختونستان قائم کرنے کی مہم سے باز آ جائے گی؟ عوامی لیگ صوبائی خود مختاری کے مطالبے سے دستبردار ہو جائے گی؟ جماعت اسلامی اپنے متشددانہ نظریات اور خیالات سے دست بردار ہو جائے گی؟ مشرقی پاکستان کا عوامی جمہوری محاذ شیخ مجیب الرحمٰن سے دو دن بھی چل سکے گا؟ جمعیت علماء کے بزرگ جماعت اسلامی کے ساتھ مل بیٹھیں گے؟

ہمیں تو یہ خطرہ نظر آتا ہے کہ اگر اختیار اور اقتدار ان دونوں حضرات کے سپرد کر دیا گیا، تو پورے ملک میں جوتیوں میں دال بٹنا شروع ہو جائے گی۔ یہ حضرات ایک دوسرے کے گریبانوں کو آ جائیں گے ان کا اکٹھے رہنا بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک میان میں بہت سی تلواریں جمع ہو جائیں

لیکن

ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ ملک میں آزادانہ فضا قائم کی جائے جس میں آزادانہ انتخابات ہوں یہ انتخابات حق رائے دہی بالغاں کی بنیادوں پر ہونے چاہئیں اور ان کے نتیجہ میں جو بھی ایک سب سے بڑی سیاسی جماعت انتخابات میں جیت جائے اقتدار اور اختیار اس کے سپرد کر دیا جائے۔

لیکن

ہماری رائے میں ملکی مسائل اس وقت تک حل نہیں ہوں گے جب تک کہ ملک کے اقتصادی ڈھانچہ کو تبدیل نہیں کیا جائے گا اور بیورو کریسی کو لامحدود تفویض کردہ اختیارات کو محدود نہیں کیا جائے گا اس وقت ہمارے ملک میں جو بے اطمینانی پائی جاتی ہے اس کی وجہ محض سرمایہ دارانہ مغربی نظام ہے اس نظام کے تحت جن لوگوں کے پاس دولت ہے وہ بے انتہا امیر بنتے جا رہے ہیں۔ اس نظام کی تباہ کاریوں کا ذمہ دار وہ نظام ہے جو ہمیں ۱۹۴۷ء میں انگریز سے ورثے میں ملا اور جس نظام کی آبیاری اس وقت تک برسرِاقتدار آنے والی حکومت نے کی ہے اس کے نفاذ کے بعد یہ توقع رکھنا کہ حالات کسی صورت میں رو بہ اصلاح ہو سکتے تھے ناممکن ہے۔ ہمارے ہاں صدارتی اور پارلیمانی طرز حکومت پر بحثیں ہو رہی ہیں لیکن فی الاصل ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں اسلامی معاشی اصولِ انصاف کو نافذ کیا جائے۔ ایسا معاشی انصاف کا اصول جس میں کسی کو اس کے بنیادی حق سے محروم نہ کیا جائے۔ دولت کی تقسیم مساوی ہو۔ اور جس میں ہر کسی کو مقابلے کے برابر اور یکساں مواقع مہیا کئے جائیں۔ جہاں لوٹ کھسوٹ، چوربازاری اور رشوت ستانی ہو وہ اسلامی معاشرہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اسی طرح جہاں

خدمتِ خلق کی بجائے افسر اپنے آپ کو حاکمِ مطلق سمجھنا شروع کر دیں۔ ان کے غرور اور تمرّد کی کوئی حد نہ رہے، وہ اپنے آپ کو فرعون بے سامان سمجھنے لگیں۔ اسے بھی کوئی آزاد قوم زیادہ دیر تک برداشت نہیں کیا کرتی اور نہ ہی وہ اسلام کے اصولِ مساوات کے ہم آہنگ ہوتا ہے

ہم صدر ایوب

سے بصد ادب استدعا کریں گے کہ وہ خود بارہا اس امر کا اعلان کر چکے ہیں کہ وہ تاحیات صدر نہیں رہنا چاہتے۔ وہ جمہوریت کے پرستار ہیں اور اس ملک کے مسائل کا حل جمہوریت کے بغیر نہیں۔ بنیادی جمہوریتیں بہترین جمہوری نظام ہے اس میں ہر بالغ کو اظہار رائے کا موقع ملتا ہے۔ جب یہ صورت ہے تو وہ کیوں حق رائے دہی بالغاں کی بنیاد پر انتخاب کی تجویز کو قبول نہیں کر لیتے؟ ہمارے خیال میں اگر انتخابات حق رائے دہی بالغاں کی بنیاد پر کئے جائیں اور حکومت ڈٹ کر سیاسی لڑائی لڑے تو وہ یقیناً انتخابات میں کامیابی حاصل کر سکتی ہے۔ بالفرض وہ ناکام رہے اور اپوزیشن برسرِاقتدار آ جائے تو وہ ٹھوس صورت میں اپوزیشن کا کردار انجام دے سکنے کی صلاحیت رکھے گی۔

• ملک معراج خالد کا قصور

مغربی پاکستان مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے ایک رکن ملک معراج خالد نے ملک کے اقتصادی اور سیاسی نظام پر مشتمل ایک قرارداد منظوری کے لئے پیش کی تھی۔ لیکن سرکاری پارٹی کی بے صبری کہیئے کہ وہ ملک صاحب کی قرارداد کو نامنظور یا منظور کرتی۔ اس نے ملک صاحب کو پارٹی سے ہی نکال دینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان پر الزام یہ عائد کیا کہ انہوں نے پارٹی ڈسپلن کی خلاف ورزی کی ہے۔

آپ سیاسی جماعتوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں ہر بڑی جماعت میں آپ کو اختلاف رائے رکھنے والے کئی حضرات اور گروہ برسرِکار نظر آئیں گے لیکن انہوں نے داخلی اختلاف رائے کو اپنے لئے رحمت اور باعث طاقت قرار دیا۔ لیکن سرکاری پارٹی نے انہیں جماعت ہی سے نکال دینے کا فیصلہ کر لیا۔

ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی!

(چیف ایڈیٹر)

⁂

پاکستان

پاکستان کی کامیابی

اقوامِ متحدہ کے ترقیاتی پروگرام کی گورننگ باڈی کی صدارت کے لئے پاکستان کا متفقہ انتخاب بین الاقوامی محاذ پر پاکستان کی ایک نہایت نمایاں کامیابی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان نے دُنیا کی ترقی پذیر قوموں کے مسائل کو جس طرح پیش کیا ہے اور ان کے لئے جو حل وقتاً فوقتاً تجویز کئے ہیں ان کو دُنیا بھر میں عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے پاکستان نے دُنیا کی ترقی پذیر قوموں کے بارے میں ہمیشہ یہی موقف اختیار کیا ہے کہ بڑی اور ترقی یافتہ قومیں اگر فی الواقعی یہ چاہتی ہیں کہ دوسرے چھوٹے اور نسبتاً کم ترقی یافتہ ممالک بھی اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائیں تو انہیں چاہیئے کہ وہ نرم شرائط پر ترقیاتی قرضے فراہم کریں، تجارت میں امتیازی سلوک ترک کر دیں اور چھوٹے ملکوں کو بھی بین الاقوامی منڈیوں میں اپنی مصنوعات فروخت کرنے کے لئے وہی مواقع فراہم کریں جو دوسری ترقی یافتہ قوموں کو حاصل ہیں۔

اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے نمائندے جناب آغا شاہی نے بھی پاکستان کے انتخاب کے بعد اپنی تقریر میں ایک بار پھر ترقی یافتہ قوموں پر زور دیا ہے کہ وہ چھوٹے ترقی پذیر ملکوں کی طرف دستِ تعاون بڑھائیں کیونکہ ان ملکوں کے وسائل اس قدر نہیں ہیں کہ وہ بطورِ خود ترقی کی کٹھن منزلیں طے کر سکیں۔

اس وقت دُنیا کے ترقی پذیر ممالک اگرچہ ترقی کے لئے زیادہ سے زیادہ اپنے وسائل پر انحصار کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ترقی یافتہ قوموں کی اعانت سے بے نیاز نہیں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چھوٹے ممالک فنی معلومات کے سلسلے میں ابھی امیر ممالک سے بہت پیچھے ہیں۔ اس کے علاوہ ترقی یافتہ ملکوں نے باہمی تجارت اور کاروبار کے لئے علاقائی اتحاد قائم کر لئے ہیں۔ جن کے باعث چھوٹے ممالک کی بیرونی تجارت کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اوّل تو ان میں صنعتوں کا قیام اپنے ابتدائی مراحل میں ہے اور وہ مصنوعات کی بجائے خام مال کی برآمد پر انحصار کرنے پر مجبور ہیں اس پر مستزاد یہ کہ ترقی یافتہ ملک ایک دوسرے کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ اس طرح بڑی طاقتوں نے عملاً چھوٹے ملکوں کے لئے ترقی کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔

اگر یہ ممالک حقیقتاً یہ چاہتے ہیں کہ ترقی پذیر ممالک جلد از جلد اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائیں تو ان کو چاہیئے کہ وہ نہ صرف اپنا امتیازی سلوک ترک کر دیں بلکہ بعض شعبوں کو کلی طور پر ترقی پذیر ممالک کے لئے خالی چھوڑ دیں۔ ترقی پذیر ملکوں میں اعلیٰ اور پیچیدہ نوعیت کی مشینری اور دیگر مصنوعات تو تیار ہو ہی نہیں سکتیں۔ ترقی یافتہ ممالک ان کی تیاری پر توجہ دیتے رہیں لیکن جو نسبتاً سادہ مصنوعات ترقی پذیر ملکوں میں تیار ہوتی ہیں۔ ان کی تیاری ترک کر دیں۔ اس طرح کم ترقی یافتہ ملکوں کی مصنوعات کے لئے خود بخود مارکیٹ فراہم ہو جائے گی اور وہ ترقی یافتہ ممالک سے قرضے لینے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔ اور رفتہ رفتہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں گے۔

اس سلسلے میں بڑی طاقتوں کو یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ خود ان کا اپنا مفاد اس میں ہے کہ وہ ترقی پذیر ممالک کی معیشتوں کو جلد از جلد خود کفیل بنا دیں۔ چھوٹے ملک ان سے کوئی رعایت طلب نہیں کر رہے۔ اپنا ایک حق مانگ رہے ہیں آج کے دور میں دُنیا امیر اور غریب ممالک کے درمیان بٹی ہوئی ہے۔ عالمی امن کا تقاضہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان اقتصادی عدمِ توازن کو جلد از جلد ختم کیا جائے۔ اگر چھوٹے ملک خوشحال نہیں ہوں گے تو اس کا لازمی نتیجہ دنیا کے امیر اور غریب ممالک کے درمیان تصادم کی شکل میں نمودار ہوگا جس سے دنیا ایک بار پھر جنگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آجائے گی اور یہ شعلے صرف چھوٹے ممالک کو نہیں بڑے اور ترقی یافتہ ممالک کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیں گے سائنس نے دنیا کو اس قدر مختصر کر دیا ہے کہ آج کوئی ملک دوسروں سے الگ تھلگ رہ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ایک کی خوشحالی کا عکس دوسرے پر اور دوسرے کے افلاس کا سایہ تیسرے پر پڑنا لازم ہو گیا ہے امیر قوموں کی دولت کا تحفظ بھی صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب باقی قوموں میں بھی خوشحالی کا دور دورہ ہو۔ اس طرح یہ بات خود ترقی یافتہ ممالک کے مفاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ ترقی پذیر ممالک سے افلاس و احتیاج کو جلد از جلد ختم کریں۔

ہمیں امید ہے کہ یو این۔ ڈی پی کے صدر کی حیثیت سے پاکستان اس نیک مقصد کے لئے اپنی جدوجہد کو اور زیادہ تیز کر سکے گا۔

ڈاکٹروں کی ہڑتال!

گذشتہ شمارے میں ہم نے ان کالموں میں اساتذہ کے مطالبات کا ذکر کیا تھا۔ جو طویل انتظار کے بعد اس امر پر مجبور ہو گئے ہیں کہ وہ حکومت کو اس امر کا نوٹس دیں کہ اگر ان کے مطالبات ایک مقررہ تاریخ تک منظور نہ کئے گئے تو وہ راست اقدام کریں گے۔ اب ایک اور معزز پیشے کے ارکان یعنی ڈاکٹر جلوس کی شکل میں سڑکوں پر نکلنے شروع ہو گئے ہیں اور اپنے مطالبات کی ہڑتال کر رہے ہیں۔ اس صورتِ حال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے ملک میں تعلیم یافتہ "حضرات" خواہ ان کا تعلق کسی بھی پیشے سے کیوں نہ ہو، یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے وطن میں ان کی قابلیت اور صلاحیت کی مناسب قدر نہیں

سیلون کے وزیر اعظم مسٹر سینا نائیکے کراچی میں اخباری نمائندوں سے بات چیت کر رہے ہیں

کی جا رہی اور ان کو وہ وسائل فراہم نہیں کئے جا رہے جو معاشرے میں باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

ہمارے ملک میں ڈاکٹروں کی شدید کمی ہے۔ دیہی علاقوں کا تو ذکر ہی چھوڑئیے۔ جن کو کسی کمپاؤنڈر کی خدمات بھی نصیب نہیں ہوتیں۔ شہروں کا یہ حال ہے کہ وہاں سرکاری ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کی تعداد مریضوں کی تعداد کی نسبت بہت زیادہ کم ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان ہسپتالوں میں کام کرنے والے ڈاکٹر اپنی ہمت سے زیادہ کام کرنے کے باوجود بھی مریضوں کے ساتھ مکمل انصاف نہیں کر سکتے۔ اس کثرتِ کار کے باوجود اگر ان کے حالاتِ کار ٹھیک اور اطمینان بخش نہ ہوں تو اس پر ان کا احتجاج ایک قدرتی امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر سرکاری ملازمت پر نجی پریکٹس کو ترجیح دیتے ہیں۔ جہاں وہ زیادہ معاوضہ حاصل کر سکتے ہیں اور اپنی ہمت سے زیادہ کام کرنے پر مجبور نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر بڑے پیمانے پر ملک چھوڑ چھوڑ کر دوسرے ممالک میں اقامت اختیار کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ڈاکٹر حضرات یہ محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان میں انہیں اپنی صلاحیتوں سے کام لینے کا پورا پورا موقع نہیں ملتا۔ یہ صورتِ حال ملک کے لئے یقیناً بہت زیادہ نقصان دہ ہے۔ جس کی طرف ہم بار بار حکومت کی توجہ مبذول کرا چکے ہیں۔ اس کا واحد علاج یہی ہو سکتا ہے کہ حکومت ڈاکٹروں کے حالاتِ کار کی اصلاح کی طرف مناسب توجہ دے تاکہ یہ حضرات جو قومی صحت کے محافظ شمار ہوتے ہیں۔ اپنے فرائض کی جانب پوری پوری توجہ دے سکیں۔

از دفتر خواجہ زید ایچ طاہر ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ۳۰ میکلیگن روڈ لاہور

بمقدمہ مسماۃ خورشید بیگم بنام محمد جہانگیر

دعویٰ تنسیخ نکاح

نوٹس بنام محمد جہانگیر ولد معراج دین قوم راجپوت سکنہ گلی نمبر ۱۶ مکان نمبر ۱۵ محلہ وانی والہ۔ چوک نیم سینما۔ چاہ میراں۔ لاہور۔

مسمّی محمد جہانگیر کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اس کی زوجہ مسماۃ خورشید بیگم دختر عبداللہ بیگ قوم مغل سکنہ فاروق سٹریٹ نمبر ۱ مکان نمبر ۲۔ اکبر روڈ چوک ناخدا مصری شاہ لاہور نے آپ کے خلاف دعویٰ تنسیخ نکاح بعدالت جناب محمد اقبال ملک سول جج باختیارات جج فیملی کورٹ لاہور داخل کر دیا ہے جس میں آئندہ تاریخ پیشی ۶۹-۳-۹ مقرر ہوئی ہے۔ لہٰذا آپ پندرہ یوم کے اندر اندر عدالت موصوف میں حاضر ہو کر جواب دہی ورنہ آپ کے خلاف کارروائی یک طرفہ عمل میں لائی جاوے گی۔ آپ کو علیحدہ ڈاک سے رجسٹری نوٹس بمعہ نقل عرضی دعویٰ فہرست گواہان بیانات گواہان بھیجے جا چکے ہیں۔

(مدعیہ بذریعہ کونسل) (۲۲)

اک چراغ اور بجھا

حکیم احمد شجاع انتقال کر گئے۔ اور ان کے ساتھ ہی ہماری تہذیبی زندگی کا ایک درخشاں باب ختم ہو گیا۔ ہم ایک ایسی ہستی سے محروم ہو گئے۔ جو ہمارے تابندہ ماضی اور بے مقصد حال کے درمیان ایک مضبوط کڑی کی حیثیت رکھتی ہے۔ مرحوم اس دور کی یادگار تھے۔ جب لاہور علم و ادب کا گہوارہ تھا۔ اور علامہ اقبالؒ اور سر عبدالقادر جیسی ہستیاں اس کی ادبی محافل کی زینت ہوا کرتی تھیں۔ انہوں نے انہی ہستیوں کے سائے میں پرورش پائی اور فیض حاصل کیا۔ حکیم صاحب مرحوم نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں ایک جگہ بیان کیا ہے کہ میری پیدائش اس سال ہوئی جس سال علامہ اقبالؒ نے یہ شعر کہا تھا۔

ع موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

چنانچہ علامہ اکثر کہا کرتے تھے کہ میری شاعری کی اور تمہاری عمر برابر ہے۔ خدا کرے دونوں کو حیاتِ جاوداں نصیب ہو۔

حکیم صاحب ۱۸۹۳ء میں بازار حکیماں اندرون بھاٹی گیٹ لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حکیم شجاع الدین محمد مشہور طبیب تھے اور شعر و ادب کا نہایت بلند رکھتے تھے۔ لاہور کی مشہور ادبی انجمن مشاعرہ انہی کی قائم کردہ تھی۔ جس میں علامہ اقبال نے اپنی اوّلین نظمیں پڑھیں۔ حکیم احمد شجاع ابھی صرف اڑھائی برس کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور ۱۴ برس کی عمر کو پہنچے تو شفقتِ مادری سے محروم ہو گئے۔ چنانچہ اس کے بعد سے ان کی پرورش ان کے بڑے بہنوئی حکیم امین الدین نے کی۔ ۱۹۰۹ء میں انہوں نے سنٹرل ماڈل سکول سے میٹرک کیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا لیکن کچھ عرصے بعد علی گڑھ چلے گئے۔ اور وہیں تعلیم مکمل کی۔

حکیم صاحب کو علم و ادب کا ذوق ورثے میں حاصل ہوا تھا۔ زمانہ طالب علمی ہی میں انہوں نے ڈرامہ نویسی شروع کر دی تھی اور کالج کے کئی ڈراموں میں خود حصہ بھی لیا کرتے تھے یہ شوق عمر بھر برقرار رہا اور انہوں نے اردو کا دامن بعض نہایت بلند پایہ ڈراموں سے بھر دیا۔ اس کے علاوہ ریڈیو کے لئے ڈرامے اور فلموں کے لئے کہانیاں لکھنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان کی تصنیفات میں کہانیوں، ڈراموں اور نظموں کے مجموعوں کے علاوہ قرآن حکیم کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔

عشقِ رسول ان کے رگ و پے میں بسا ہوا تھا۔ چنانچہ گذشتہ کئی برس سے نہایت انہماک سے کلامِ پاک کے مطالعے اور ترجمے میں مصروف رہا کرتے تھے اور اپنے اس کام کو حاصلِ زندگی قرار دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک دردمند دل عطا کیا تھا۔ جس میں بنی نوع انسان کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی وہ خلوص کا پیکر تھے۔ طویل سرکاری ملازمت کے دوران ان کے کسی ماتحت کو کبھی ان سے یہ گلہ نہیں ہوا کہ انہوں نے اس کے مفادات کو نقصان پہنچایا ہے ہر شخص کے ساتھ نہایت خلوص اور انکسار کے ساتھ پیش آتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ جس کو بھی کبھی ان کے نزدیک آنے کا موقع ملتا تھا ان کے مداحوں میں شامل ہو جاتا تھا۔

آج حکیم صاحب ہم سے جدا ہو چکے ہیں لیکن ان کا چھوڑا ہوا ادبی سرمایہ اور ان کی دل نشین یاد آج بھی ہمارے لئے سرمایہ حیات ہے

زندگی موت کا فسانہ ہے
جو بھی آیا ہے اسکو جانا ہے

نوٹس زیر دفعہ ۸ مغربی پاکستان فیملی کورٹس ایکٹ ۱۹۶۴ء

بعدالت جناب چوہدری محمد رفیق فیملی کورٹس جج راولپنڈی

منجانب رفیعہ بیگم دختر محمد رمضان ساکن مکان نمبر ۱۳۲/۹ نیا محلہ راولپنڈی (مدعیہ) بنام منظور حسین ولد محمد شریف عرف بدھو ساکن نزد جدید قبرستان ڈھوک الٰہی بخش فضل آباد راولپنڈی

ہرگاہ رفیعہ بیگم نے آپ کے نام ایک نالش بابت تنسیخ نکاح دائر ہے۔ لہٰذا آپ کو بذریعہ تحریر ہذا حکم دیا جاتا ہے کہ عدالت ہذا میں حاضر ہوں اور جواب دہی دعویٰ کی کریں۔ آپ کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے گواہان کی فہرست معہ پتہ جات و مختصر بیان پر گواہ پیش کریں۔ جس کی شہادت پر آپ استدلال کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو لازم ہے کہ جملہ دستاویزات کی نقول بھی اسی روز پیش کریں۔ واضح رہے کہ رفیعہ بیگم نے آپ کو علیحدہ طور پر بذریعہ رجسٹری ڈاک نقل عرضی دعویٰ خود معہ فہرست گواہان تائید دعویٰ خود ارسال کی ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ رفیعہ بیگم نے آپ کے خلاف نوٹس اس مضمون کا بذریعہ اشتہار اخبار ہفت روزہ بسنت راولپنڈی بھی دیا ہوا ہے و نیز واضح رہے کہ اگر آپ اندر میعاد پندرہ یوم از اشاعت نوٹس ہذا یا وصولی نوٹس رجسٹری ڈاک (جو بھی پہلے ہو) حاضر نہ ہوں گے تو مقدمہ بغیر آپ کی حاضری کے مسموع اور فیصل ہو گا۔ آج مورخہ ۶۸-۱۲-۹ کو مہر عدالت اور دستخط سے جاری ہوا۔

(مہر عدالت) (دستخط حاکم)

(۸)

عالمِ اسلام

اسرائیل کو ہتھیاروں کی فروخت

مشرقِ وسطیٰ میں جنگ کا خطرہ پہلے سے دوچند ہو چکا ہے۔ بیروت پر اسرائیلی حملے کے بعد سے اب تک اسرائیل مختلف عرب ممالک کے خلاف بدستور جارحیت کا ارتکاب کر رہا ہے۔ یہی نہیں اس کے بعد سے اسرائیل کے جنگی ناخداؤں کی تقریروں اور بیانات کا لہجہ بھی پہلے سے زیادہ جنگجویانہ ہوتا جا رہا ہے۔ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ سے قبل اسرائیلی رہنماؤں کے بیانات کا اگر ان کے موجودہ بیانات سے مقابلہ کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ جنگ پر تلے ہوئے ہیں اور کسی وقت بھی عالمِ اسلام پر بڑے پیمانے پر حملہ کر سکتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں جب ہم ان بڑی طاقتوں کی طرف دیکھتے ہیں جو اس وقت امنِ عالم کی علم بردار بنی بیٹھی ہیں تو ہمیں ان کے رویہ میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اقوامِ متحدہ حسبِ دستور غیر موثر ہے۔ اسرائیل اب تک جو کچھ کر چکا ہے وہ یقیناً اس بات کا متقاضی ہے کہ اقوامِ متحدہ اسرائیل کے خلاف طاقت کے استعمال کی اجازت دے دے۔ اسرائیلی جارحیت نے امن کے لئے یقیناً اس سے زیادہ بڑا خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ جس قدر شمالی کوریا کی جانب سے جنوبی کوریا پر حملے سے پیدا ہوا تھا اس وقت تو امریکہ نے اقوامِ متحدہ کی اجازت حاصل کرنے سے قبل جارحیت کا مقابلہ شروع کر دیا تھا۔ لیکن اب وہ اسرائیل کو جارح تسلیم کرنے سے بھی منکر ہے۔ یہ مغربی طاقتوں کی اسرائیل نوازی ہی ہے۔ جس کی وجہ سے اب تک اقوامِ متحدہ اس سلسلے میں کوئی موثر کردار ادا نہیں کر سکی۔ یہی نہیں ان مغربی ممالک کی جانب سے اسرائیل کو جنگی سامان کی فراہمی کے رکنے کے بھی کوئی آثار نظر نہیں آرہے۔

ان حالات میں فرانس کی جانب سے اسرائیل کو جنگی سامان فراہم نہ کرنے کا اعلان واقعی قابلِ قدر ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کے سلسلے میں فرانس کا کردار شروع ہی سے مستحسن رہا ہے اس نے اقوامِ متحدہ میں بھی عربوں کا ساتھ دیا ہے اور اس سے باہر بھی اسرائیلی جارحیت کی مخالفت کرتا رہا ہے ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ دوسری امن پسند طاقتیں بھی فرانس کی تقلید کریں گی اور اس طرح اسرائیل کی کسی حد تک حوصلہ شکنی کریں گی۔

صدر ڈیگال

اس تمام اندوہ ناک صورتِ حال کا ایک افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ آج جبکہ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ سے بھی شدید تر جنگ کے سائے مشرقِ وسطیٰ کے افق پر منڈلا رہے ہیں۔ اور ہر عرب ملک شدید خطرے سے دوچار ہے۔ ان کے باہمی اختلافات ختم نہیں ہو رہے۔ اس سے زیادہ اتحاد تو انہوں نے جون کی جنگ سے قبل پیدا کر لیا تھا۔ اس بار توقع تو یہ تھی کہ عرب ممالک پہلے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو نسبتاً زیادہ تیار کر لیں گے اور اپنے باہمی اختلافات ختم کر کے متحدہ محاذ قائم کر سکیں گے کیونکہ ایسا کرنے کے لئے ان کو کافی مہلت مل چکی ہے۔ لیکن افسوس کہ انہوں نے اس وقت سے اب تک کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھایا۔

ان حالات میں یہ اندیشہ بے بنیاد نہیں کہ اسرائیل کسی وقت بھی اپنی جارحانہ سرگرمیوں کو تیز کر کے مزید عرب علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ تاکہ وہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو کر عرب ممالک کو اس امر پہ مجبور کر سکے کہ وہ اس کی ہر جائز ناجائز شرط منظور کریں اور گر اس کے ساتھ صلحنامے پر دستخط کریں اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو یہ صرف عرب ممالک یا عالمِ اسلام کے لئے نہیں ساری دنیا کے لئے بہت بڑا المیہ ہوگا اور اس سے دنیا بھر میں حریت و آزادی کی تحریک کو ضعف اور جارحیت و استبداد کو تقویت پہنچے گی اس وقت دنیا کو اس سانحۂ عظیم سے بچانے کی ذمہ داری عربوں پر ہے۔ ہمیں توقع رکھنی چاہیئے کہ وہ اس ذمہ داری کو محسوس کریں گے اور اسرائیلی استعمار کے خلاف محاذ کی صفِ اول کو مضبوط بنائیں گے۔ جب تک یہ اگلا محاذ مضبوط نہیں ہوگا اس وقت تک دنیا کی دوسری امن پسند طاقتیں بھی عرب ممالک کی کوئی امداد نہیں کر سکیں گی۔

ایران میں زلزلہ

شمالی ایران ہمیشہ سے زلزلوں کا شکار رہا ہے۔ لیکن آج کل وہاں کے آتش فشاں پہاڑ کچھ زیادہ ہی تباہ کاریوں پر تلے ہوئے ہیں چنانچہ اس علاقے میں چند ماہ کے عرصے میں دوسرا خوفناک زلزلہ آیا ہے جس کے باعث تقریباً ایک ہزار مکانات بالکل منہدم ہو گئے ہیں۔ اور ایک پورا قصبہ زمین بوس ہو گیا ہے ہلاک شدگان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی ہے

اہلِ ایران کو اس زلزلے کے باعث جس عظیم جانی اور مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ اس پر ہر پاکستانی کے دل میں رنج و غم اور ہمدردی کے جذبات موجزن ہیں۔ ہمیں توقع رکھنی چاہیئے کہ حکومت پاکستان اور پاکستانی عوام دونوں اپنے مصیبت زدہ ایرانی بھائیوں کی جانب دستِ تعاون دراز کریں گے اور انہیں زیادہ سے زیادہ امداد فراہم کر کے اپنا انسانی فرض ادا کریں گے

از دفتر خلیل احمد شیخ بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ ۱۹ ر برانڈرتھ روڈ معرفت پیراماؤنٹ الیکٹرک کمپنی۔ لاہور
محمد اسلم ولد کریم بخش قوم کھوکھر سکنہ سکھ نہر نزد
گھاس مارکیٹ ' ۱۴ شالا مار ٹاؤن لاہور (مدعی)
بنام مساۃ صغراں بی بی ولد سراج دین قوم مستری سکنہ چک ۵۸
رتو جایا ڈاک خانہ رتو جایا تحصیل و ضلع لائل پور -- (مدعا علیہ)
دعویٰ اعادہ حقوقِ زن و شوئی
بذریعہ اشتہار اخبار ہٰذا مطلع کیا جاتا ہے کہ مقدمہ مندرجہ عنوان بالا محمد اسلم (مدعی) مذکور نے مدعا علیہ مساۃ صغراں بی بی کے خلاف بعدالت جناب ملک مشتاق احمد جج فیملی کورٹ مؤخر ہذا، کو دائر کر دیا ہے رجس میں آئندہ پیشی مورخہ ۲/۳/۶۹ مقرر ہوئی ہے۔ مدعا علیہا کو بذریعہ نوٹس اطلاع دی جاتی ہے کہ پندرہ یوم کے اندر جواب دعویٰ داخل کریں ورنہ اس کے خلاف یکطرفہ کاروائی عمل میں لائی جائے گی۔
(مدعی بذریعہ کونسل)
(۱۶)

عالمی مسائل

بے مقصد مذاکرات

پیرس میں ویت نام کی جنگ کے خاتمے کے لئے مذاکرات جاری ہیں۔ ان طویل مذاکرات کا نتیجہ اب تک صرف اس قدر نکلا ہے کہ پہلے صرف شمالی ویت نام اور امریکہ کے نمائندے پیرس میں مقیم تھے۔ اب قومی محاذِ آزادی اور جنوبی ویت نام کے نمائندے بھی پیرس آ گئے ہیں۔ لیکن جہاں تک اس منزل کا تعلق ہے جس کے حصول کے لیئے یہ مذاکرات ہو رہے ہیں وہ آج بھی اسی قدر دور ہے۔ جس قدر ان مذاکرات کے آغاز سے قبل تھا۔

اس سے قبل جب جنوبی ویت نام کی حکومت نے طویل ٹال مٹول کے بعد مذاکرات میں شرکت کی حامی بھری تھی، اس وقت ہم نے اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ حقیقی معنوں میں مذاکرات کا آغاز ابھی ایک طویل عرصے تک ممکن نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ امریکہ کی موجودہ حکومت جس کے اقتدار کے صرف چند روز باقی رہ گئے ہیں۔ اس مرحلے پر کوئی فیصلہ کن اقدام کرنے سے گریزاں معلوم ہوتی ہے۔ اور جنوبی ویتنام کی حکومت، جس کا اقتدار ہی جنوبی ویت نام میں امریکی فوجوں کی موجودگی کا مرہونِ منت ہے، مذاکراتِ امن کو ناکام بنانے پر تلی ہوئی ہے۔ جنوبی ویت نام کی حکومت جانتی ہے کہ اگر ویتنام میں جنگ بند ہو گئی۔ اور عوام کو اپنے حکمران منتخب کرنے کا موقع ملا تو ان کے لیئے اپنا اقتدار قائم رکھنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس لیے ان کی شروع ہی سے یہ خواہش ہے کہ کسی نہ کسی طرح موجودہ حالات جاری رہیں۔ اس وقت سے لے کر آج تک پیرس میں جو کچھ ہو رہا ہے اس نے ہمارے ان خدشات کی تصدیق کر دی ہے۔ مذاکراتِ امن میں شریک ہونے والے نمائندے ابھی تک اس فضول بحث میں الجھے ہوئے ہیں کہ جس میز کے گرد بیٹھ کر مذاکرات ہوں، اس کی شکل کیا ہونی چاہیئے امریکہ کی خواہش ہے کہ میز کی شکل ایسی ہونی چاہیئے جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس تنازعہ کے صرف دو فریق ہیں۔ امریکہ اور جنوبی ویتنام ایک فریق شمار کیئے جائیں۔ اور شمالی ویت نام اور قومی محاذ آزادی کو فریق ثانی تصور کیا جائے۔ اس کے برعکس اشتراکی نمائندوں کا موقف یہ ہے کہ یہ مذاکرات دو فریقی نہیں، چہار فریقی ہیں ہر فریق کی اپنی حیثیت ہے اور میز کی شکل ایسی ہونی چاہیئے جس سے یہ ثابت ہو کہ ہر نمائندہ الگ فریق کی حیثیت رکھتا ہے امریکہ کی جانب سے اب تک میزوں کے ایک درجن سے زائد ڈیزائنوں کی تجویز پیش کی جا چکی ہے لیکن وہ اس بات کا تصور دینے سے گریز کر رہا ہے کہ مذاکرات چہار فریقی ہیں۔ اس کے برعکس کمیونسٹ نمائندوں کی تجویز ہے کہ بات چیت گول میز کے گرد ہو اور ہر نمائندے کو اجازت ہو کہ جہاں جی چاہے بیٹھ جائے اس طرح میز کی شکل پر یہ تکرار جاری ہے اور اس کے خاتمے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے۔

اس حقیقت کا اعتراف آج کل خود امریکہ میں بھی کیا جا رہا ہے کہ ویت نام کا اصل مسئلہ وہاں امریکی فوجوں کی موجودگی ہے اور اگر امریکہ وہاں مداخلت کا خاتمہ کر دے تو یہ مسئلہ آسانی کے ساتھ حل ہو سکتا ہے۔ اس طرح ان مذاکرات کی کامیابی یا ناکامی کا تمام تر انحصار اس امر پہ ہے کہ امریکہ ویت نام کے بارے میں کیا رویّہ اختیار کرتا ہے چند روز بعد امریکہ کے نئے صدر مسٹر رچرڈ نکسن عہدہ سنبھالنے والے ہیں۔ اور ڈیموکریٹک پارٹی کی بجائے اقتدار ری پبلکن پارٹی کے ہاتھوں میں جانے والا ہے۔ اس سے قبل تو ان مذاکرات سے کسی نتیجے کی توقع رکھنا ہی فضول ہے البتہ مسٹر نکسن کے برسرِاقتدار آنے کے بعد اس امر کا اندازہ ہو سکے گا کہ مذاکرات کیا رخ اختیار کریں گے۔ اگر مسٹر نکسن نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ واقعی امن چاہتے ہیں، محض اس کا ڈھونگ رچانا نہیں چاہتے تو یہ مذاکرات یقیناً نتیجہ خیز ثابت ہوں گے۔ لیکن اس کے لئے امریکہ کے آئندہ صدر کو اس پالیسی سے بالکل دست بردار ہونا پڑے گا جس پہ امریکہ آج تک گامزن ہے۔ ان کو اپنے ذہن سے یہ خوش فہمی نکال دینی ہو گی کہ امریکہ کسی مرحلے پر بھی ویت نام کی جنگ جیت سکتا ہے انہیں ان غلطیوں کا اعتراف کرنا پڑے گا جو ویت نام کے سلسلے میں اب تک کی جاتی رہی ہیں اور واضح الفاظ میں اس بات کا اعلان کرنا ہو گا کہ امریکہ اب ویت نام میں مداخلت کی سابقہ پالیسی سے دست بردار ہو رہا ہے جب تک وہ امریکہ کے آئندہ لائحہ عمل کا واضح الفاظ میں اعلان نہیں کریں گے اور ویت نام میں تلاشِ امن کی کوشش قرار واقعی خلوص کے ساتھ نہیں کرینگے اس وقت تک پیرس میں ہونے والے مذاکرات حسب سابق بے مقصد ہی شمار کیئے جاتے رہیں گے۔

اب ان گتھیوں کو سلجھانے کا اہتمام اگر ہو سکتا ہے تو صرف پیرس میں ہو سکتا ہے اور اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ دنیا کا ایک متمول اور طاقتور ملک ایک غریب اور چھوٹے ملک کے خلاف جارحیت جاری رکھنے کا فیصلہ کرتا ہے یا اس ملک کے مہار عوام کے جذبۂ حریت کو کچلنے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کر لیتا ہے۔

ژوان تھوئی (شمالی ویت نام)

مادام بنہہ (قومی محاذ آزادی)

ایورل ہیری مین (امریکہ)

کاؤ کائی (جنوبی ویت نام)

سرورق

عظیم الرحمن فرقان

موجودہ حکومت کو تبدیل کرکے سوشلزم رائج کرنے کیلئے

پیپلز پارٹی ہر محاذ پر جدّوجہد کرے گی

صدارتی انتخاب لڑنے کا فیصلہ عوام کی خواہشات کا عکس ہے

پیپلز پارٹی کے قائم مقام چیئرمین

جناب جے اے رحیم

سے ایک ملاقات ! !

"پاکستان پیپلز پارٹی موجودہ آمرانہ حکومت کے خلاف ہر محاذ پر جنگ لڑے گی۔ وہ حکومت کے ساتھ ٹکر لینے کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دے گی۔ کیونکہ ہمارا پختہ یقین ہے کہ اگر ہم نے کوئی محاذ بھی خالی چھوڑ دیا تو یہ ان عظیم ذمہ داریوں سے فرار ہوگا جو ملک و قوم کی جانب سے ہم پر عائد ہوتی ہیں"۔

ان الفاظ میں پاکستان پیپلز پارٹی کے قائم مقام چیئرمین جناب جے اے رحیم نے جناب ذوالفقار علی بھٹو کی جانب سے صدارتی انتخاب لڑنے کے فیصلے کی توجیہہ کی لیکن ان کا یہ بیان میرے لئے کلی طور پر باعثِ تشفی نہ ہوا۔ چنانچہ میں نے اُن سے سوال کیا کہ جناب بھٹو آخر انتخابی محاذ پر ہی کیوں جنگ لڑنا چاہتے ہیں۔ حزبِ اختلاف کی دوسری جماعتوں کی طرح وہ عوامی محاذ پر جنگ لڑنا کیوں پسند نہیں کرتے ؟

جناب جے. اے رحیم نے حسب سابق نہایت شستہ انگریزی میں جواب دیا "آپ شاید میرا مطلب نہیں سمجھے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم ہر محاذ پر جنگ لڑنا چاہتے ہیں تو ہماری مراد یہ نہیں ہوتی کہ ہم صرف انتخابی محاذ پر حکومت کے مقابلے کا جواز پیدا کر رہے ہیں۔ ہماری مراد یہی ہوتی ہے کہ ہم عوامی محاذ پر بھی جنگ لڑیں گے اور انتخابی محاذ پر بھی۔ آپ نے خود محسوس کیا ہوگا کہ پیپلز پارٹی اب تک بحالیٔ جمہوریت کی تحریک میں عوامی سطح پر اسی سرگرمی سے حصّہ لے رہی ہے جس طرح دوسری جماعتیں بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ملک میں بیداری کی جو موجودہ لہر آئی ہے اس کا آغاز ہی پیپلز پارٹی نے کیا ہے"۔

کیا منصفانہ انتخابات منعقد ہو سکتے ہیں

حزبِ اختلاف کے اس موقف میں آپ کے نزدیک کہاں تک صداقت ہے کہ موجودہ طریقِ انتخاب کے تحت آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کا انعقاد ممکن ہی نہیں ہے اور اس نظام کا مقصد ہی یہ ہے کہ موجودہ حکمران اپنے اقتدار کو قائم رکھ سکیں"۔ میں نے ان سے سوال کیا۔

"یہ تو ایک ایسی حقیقت ہے جس سے اختلاف کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے" انہوں نے برجستہ جواب دیا۔ پھر مسکرا کر کہنے لگے "آپ نے یہ سوال شاید اس لئے دریافت کیا ہے کہ ہم اس نظام انتخاب کے نقائص کو جانتے ہوئے انتخابات میں شرکت کیوں کر رہے ہیں۔ اس کا جواب واضح ہے۔ انتخابات صرف حزبِ اختلاف کے لئے ہی ایک مسئلہ نہیں ہیں خود صدر ایوب کے لئے بھی مسئلہ ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ انہوں نے آئین اس طرح مرتب کیا ہے کہ آئین کا مصنف جب تک چاہے برسرِ اقتدار رہ سکے۔ آئین میں انہوں نے اپنے لئے بہت سے چور دروازے کھول رکھے ہیں انتخابات کا طریقِ کار ایسا ہے کہ اس میں اچھی طرح گڑبڑ کی جا سکتی ہے اور برسرِ اقتدار جماعت مختلف حربے استعمال کر کے انتخابات کا نتیجہ اپنی مرضی کے مطابق مرتب کر سکتی ہے لیکن صدر ایوب خان کا بنایا ہوا یہ آئین بھی انہیں اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ وہ ان کو کسی مشکل میں گرفتار ہی نہیں ہونے دے گا۔ ہم انتخابات لڑ کر آج بھی ان کو نہایت سخت مراحل و مشکلات سے دوچار کر سکتے ہیں"۔

"کیا اس سے یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ پیپلز پارٹی یہ جانتے ہوئے کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکتی، انتخابات میں حصہ لینا چاہتی ہے ؟"

"ہمیں موجودہ طریقِ انتخابات کے تحت ہونے والے انتخابات کے بارے میں کسی قسم کی خوش فہمی نہیں ہے لیکن ہم اس سلسلے میں ناامید بھی نہیں ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اہم ستمبر

پیپلز پارٹی کے قائم مقام چیئرمین جناب جے. اے رحیم ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے جناب بھٹو کی صدارتی انتخاب میں شرکت کا اعلان کر رہے ہیں۔

جناب بھٹو پاکستانی عوام کی خواہشات اور امنگوں کی علامت بن چکے ہیں

جناب ذوالفقار علی بھٹو

۱۹۶۸ء کو حیدرآباد میں تقریر کرتے ہوئے جناب ذوالفقار علی بھٹو نے تھا ”مجھے معلوم ہے کہ ڈکٹیٹر شپ کو ووٹوں کے ذریعے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ رائے عامہ کی قدر و قیمت جمہوریت میں ہوتی ہے۔ آمریت میں ووٹ کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ اس کا خاتمہ تو صرف عوامی جدوجہد کے ذریعے ہی ممکن ہے لیکن اس کا مقصد یہ نہیں کہ ہم آئندہ انتخابات میں شرکت نہ کریں اور آمریت کے خلاف اس محاذ پر جنگ نہ لڑیں۔ جناب بھٹو کے یہ الفاظ موجودہ طریق انتخاب کے بارے میں پارٹی کی رائے کو اچھی طرح واضح کر دیتے ہیں۔ اب رہ جاتا ہے یہ سوال کہ ہم انتخابات کے سلسلے میں پرامید کیوں ہیں۔ بالکل ناامید کیوں نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں بیداری تیزی سے بڑھ رہی ہے جس کے باعث حکومت کے لئے دھاندلی کرنے کے مواقع کم ہوتے جا رہے ہیں۔

دھاندلی کے مواقع کم ہو رہے ہیں

موجودہ طریق انتخاب میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے حکومت دو حربے استعمال کر رہی ہے یعنی سیاسی رشوت اور سرکاری دباؤ۔ بظاہر یہ دونوں حربے ایسے ہیں جن سے کوئی بھی آمر چاہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے برسر اقتدار رہ سکتا ہے لیکن وقت کے عمل کو کوئی چیز نہیں روک سکتی اور وقت کے ساتھ مستحکم سے مستحکم قلعہ استبداد کی سنگین دیواروں میں بھی شگاف نمودار ہونے لگتے ہیں۔ یہی حال آمریت کا ہے جوں جوں اقتدار کی خواہش بڑھتی جاتی ہے اور ارباب اقتدار اپنی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کرتے ہیں عوام میں ان سے بیزاری بھی بڑھتی چلی جاتی ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے آمر پہلے سے زیادہ سختی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ ان کا ہر ایک حربہ بیکار ہو جاتا ہے اور وہ دنیا کے سامنے بالکل بے نقاب ہو جاتے ہیں۔

یہی حال اس وقت موجودہ حکومت کا ہے شروع میں اس کے لئے سیاسی رشوت اور سرکاری دباؤ کے حربے برسر اقتدار رہنے کے لئے کافی تھے لیکن جوں جوں رائے عامہ بیدار ہوتی جا رہی ہے اس کے لئے صرف ان دو حربوں کے لئے برسر اقتدار رہنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ آج حکومت کو ملک پر اپنی گرفت قائم رکھنے کے لئے ہنگامی حالات کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔ ان غیر معمولی اختیارات اور مستبدانہ قوانین کے بغیر اس کے لئے برسر اقتدار رہنا ناممکن ہو گیا ہے۔ حکومت ایک بحران کا شکار ہو چکی ہے۔

جناب جے اے رحیم ایک سیاسی فلسفی کے لہجے میں مسلسل بولے جا رہے تھے اور میرے ذہن میں سوشلزم کے فلسفے کے بارے میں مختلف کتابوں کے اوراق یکے بعد دیگرے آ رہے تھے۔ جب وہ بولتے بولتے ذرا رکے تو غیر شعوری طور پر میری نظریں ان کی جانب اٹھیں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ وہ مجھ سے بھی زیادہ مستغرق ہیں۔ ان کی نگاہیں کمرے کی چھت پر گڑی ہوئی تھیں۔ میں نے انہیں ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا۔ ابھی میں اس امر کا منتظر ہی تھا کہ وہ متوجہ ہوں تو ان سے مزید سوالات کروں کہ انہوں نے میری طرف دیکھے اور چھت سے نگاہیں ہٹائے بغیر دوبارہ سلسلہ کلام شروع کر دیا۔

حکومت واقعی ایک بحران کا شکار ہو چکی ہے وہ اپنی طرف سے تمام حربے استعمال کر کے بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ وہ اس بار ضرور کامیاب ہو جائے گی۔ اب تک اس نے دوسروں کو فریب دینے کے لئے جمہوریت پسندی کا جو لبادہ اوڑھ رکھا تھا وہ تار تار ہو چکا ہے وہ عوام کے سامنے پوری طرح بے نقاب ہو چکی ہے۔

حکومت کے مستحکم قلعے میں یہ ضعف بلاوجہ نہیں آیا۔ یہ عوام کی مسلسل جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح نے صدارتی انتخاب لڑ کر آمریت پر پہلی ضرب لگائی تھی۔ دھونس اور دھاندلی کے ذریعے ان کو ناکام بنا دیا گیا۔ لیکن ان کی یہ کوشش رائگاں نہیں گئی۔ انہوں نے قصر استبداد کے در و بام ہلا کر رکھ دیئے اس بری طرح ہلائے کہ پھر وہ اس قدر مضبوطی کے ساتھ جم ہی نہ سکے۔ آپ خود سوچئے کہ اگست ۱۹۶۴ء میں صدر ایوب کی پوزیشن جس قدر مضبوط تھی جنوری ۱۹۶۵ء میں انتخابات جیت لینے کے باوجود اتنی مضبوط نہیں رہی تھی۔ اس کے بعد قوم نے اعلان تاشقند کے خلاف احتجاج کیا جس سے صدر ایوب کی مقبولیت میں اور کمی ہو گئی۔ اس طرح ہر عوامی تحریک ان کو کمزور اور غیر مقبول بناتی جا رہی ہے اور آج یہ عالم ہے کہ عوام میں ان کی عدم مقبولیت اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ اس بار اگر حکومت نے پہلے کی طرح انتخابات میں دھاندلی کر کے کامیابی حاصل کر بھی لی تو وہ آئندہ پانچ برس تک اطمینان کے ساتھ حکومت نہیں کر سکے گی۔

متبادل قیادت

”کیا آپ کے نزدیک حکومت کو کمزور کرنے، رائے عامہ کو بیدار کرنے اور حکومت کی خامیوں کو بے نقاب کرنے کے لئے انتخاب ہی لڑنا ضروری ہے۔ کیا آپ کے خیال میں عوامی تحریک سے یہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے؟“

”جی نہیں“ جناب رحیم نے پرجوش انداز میں جواب دیا۔

”الیکشن لڑے بغیر یہ مقاصد حاصل کرنا مشکل ہے۔ حزبِ اختلاف کی دوسری جماعتوں کے ساتھ ہمارا اسی مسئلے پر اختلاف ہے۔ ہم عوام کے سامنے کوئی ٹھوس چیز پیش کرنا چاہتے ہیں۔ انتخابات کا بائیکاٹ کوئی ٹھوس چیز ہمارے سامنے پیش نہیں کرتا۔ جب تک عوام کے سامنے کوئی واضح متبادل نہیں ہوگا۔ ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ پھر عوام کے اس سوال کا جواب دینا بھی ضروری ہے کہ صدر ایوب کے بعد کون برسر اقتدار آئیگا جب تک کوئی متبادل نہ ہو۔ اس وقت تک کسی کے خلاف جنگ کس طرح لڑی جا سکتی ہے پیپلز پارٹی نہ صرف عوام کے سامنے ایک متبادل لیڈر پیش کر رہی ہے بلکہ ایک واضح پروگرام بھی پیش کر رہی ہے۔ ارباب اقتدار کی جانب سے متحدہ حزبِ اختلاف پر عام طور سے یہی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کا پروگرام واضح نہیں ہے پیپلز پارٹی کے سلسلے میں حکومت اس قسم کا کوئی اعتراض نہیں کر سکتی۔

اس سلسلے میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ صدر ایوب انتخابات سے قبل ہی مسندِ اقتدار کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کر لیں۔ اس صورت میں اگرچہ صدر ایوب چلے جائیں گے لیکن انہوں نے جو آمرانہ ڈھانچہ قائم کر رکھا ہے وہ بدستور قائم ہوگا۔ اس وقت اگر حزب اختلاف کے پاس کوئی متبادل قیادت نہیں ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ برسر اقتدار گروہ اپنے کسی اور نمائندے کو اس مسند پر بٹھا دے گا۔ یا کوئی موقع پرست اقتدار کی خالی کرسی کی طرف لپکے گا۔ ہمیں اس صورت حال کے مقابلے کے لئے پہلے سے تیار رہنا چاہیئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک ایسا لیڈر عوام کے سامنے پہلے سے موجود ہو جس کو

وہ نہایت اعتماد کے ساتھ مسند اقتدار سونپ سکیں انتخابات کے بائیکاٹ سے یہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس کے برعکس سیاسی خطروں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ میدان خالی ہونے کی صورت میں ملک خانہ جنگی کا شکار ہو جائے"۔

مسٹر بھٹو مستعفی کیوں نہیں ہوتے؟

"آپ نے ابھی ابھی یہ فرمایا تھا کہ گذشتہ انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلی ہوئی تھی۔ خود مسٹر بھٹو نے بھی کئی بار یہ بات دوہرائی ہے کہ یہ انتخابات غیر منصفانہ تھے لیکن ہمیں یہ بھی یاد ہے کہ خود مسٹر بھٹو اس وقت مسندِ اقتدار پر فائز تھے اور یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ ان انتخابات کے بعد جو حکومت بنی وہ اس میں بھی شامل تھے۔ کیا سیاست میں اصول پسندی کا تقاضا یہ نہیں تھا کہ وہ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بطور احتجاج اپنے عہدے سے مستعفی ہو جاتے اور اس حکومت میں جو غیر منصفانہ انتخابات کے نتیجے میں برسر اقتدار آئی تھی، شامل ہونے سے انکار کر دیتے؟"

ہماری جماعت تمام ملکی مسائل کا ٹھوس حل لے کر میدان میں آئی ہے

میرا یہ سوال جناب جے اے رحیم کے لئے شاید کچھ غیر متوقع تھا۔ انہوں نے ذرا سا تامل کیا اور پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگے "میرے خیال میں اس سوال کو مسٹر بھٹو کے ساتھ ملاقات تک اٹھا رکھئے۔ اس کا جواب تو وہی دے سکیں گے۔ میں ان کی طرف سے اس کا کیا جواب دے سکتا ہوں"

بنیادی جمہوریتوں کی سطح پر انتخابات

"پیپلز پارٹی نے ہر سطح پر انتخاب لڑنے کا اعلان کیا ہے اور بلند تر سطحوں پر انتخاب کی کامیابی کے لئے بنیادی جمہوریتوں کی سطح پر انتخاب میں کامیابی ضروری ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ نچلی سطح پر پیپلز پارٹی اپنے نمائندوں کو اتنی تعداد میں منتخب کرا سکے گی کہ وہ صدارتی انتخاب جیت سکے؟" میں نے اُن سے سوال کیا۔

"اگر ہمیں یہ امید نہ ہوتی تو ہم صدارتی امیدوار کیوں کھڑا کرتے؟" انہوں نے جواب دیا۔ پھر پوچھنے لگے۔ "آپ کو اس سلسلے میں شک کس طرح پیدا ہوا؟"

"اس لئے کہ آجکل یہ بات عام طور پر سُننے میں آتی ہے کہ مختلف حلقوں سے جو امیدوار انتخابات میں شرکت کرنی چاہتے

پیپلز پارٹی پر اسلام دشمنی کا الزام بالکل بے بنیاد ہے

اہوں ے بہت پہلے اپنی تیاریاں مکمل کر لی ہیں اور ووٹروں کی فہرستوں میں پہلے ہی سے بوگس نام درج کرا دیئے ہیں۔ ان حالات میں آپ کے نمائندے کس طرح کامیاب ہوں گے" میں نے تمام صورتِ حال اور اپنے شکوک و شبہات کی وضاحت کی۔

جناب جے اے رحیم نے میرے خدشات کو بے بنیاد سمجھا یا انہیں اپنی جماعت کی مقبولیت پر ضرورت سے زیادہ اعتماد تھا۔ بہرحال وجہ کچھ بھی ہو انہوں نے اس بات کو سرسری انداز میں ٹال دیا اور کہنے لگے۔ ہم نے انتخابات کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ اگر ہر علاقے کے عوام چوکنے اور باخبر رہیں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ کسی کو بوگس ووٹوں کے ذریعے کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔"

دوسری جماعتوں کے ساتھ تعاون

میرے ایک اور سوال کے جواب میں جناب رحیم نے بتایا کہ ابھی وہ نہیں کہہ سکتے کہ اس انتخابی مہم میں کون کون سے سیاسی گروہ پیپلز پارٹی کے ساتھ شامل ہوں گے۔ اور جناب بھٹو کی حمایت کریں گے۔ تاہم ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ بائیں بازو کی جماعتیں اس مہم میں پیپلز پارٹی کا پورا پورا ساتھ دیں گی۔ پیپلز پارٹی نے قوم کے سامنے ایک مکمل پروگرام پیش کر دیا ہے جس کو قوم نے بہت پسند کیا ہے۔ اس پروگرام کی بنیاد پر جو جماعتیں ہمارے ساتھ تعاون کرنا چاہیں ہم ان کے تعاون کا خیر مقدم کریں گے۔ اس سلسلے میں مختلف جماعتوں کے ساتھ گفت و شنید جاری ہے اور ہم اس سلسلے میں بہت پُرامید ہیں۔

بھاشانی ۔۔۔ بائیکاٹ کی حمایت یا بھٹو کی؟

میرے اس سوال کے جواب میں کہ پیپلز پارٹی اپوزیشن کی دوسری جماعتوں کی طرف دستِ تعاون بڑھائے گی۔ جناب رحیم نے کہا کہ جہاں تک عوام کو ان کے حقوق دلانے کی جدوجہد کا تعلق ہے ہم دوسری تمام جماعتوں کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

دائیں بازو کی جماعتیں

"کیا آپ اپنے حلقۂ تعاون میں دائیں بازو کی جماعتوں کو بھی شامل کریں گے؟" میں نے جناب رحیم سے وضاحت چاہی کیونکہ انہوں نے اب تک واضح طور پر صرف بائیں بازو کی جماعتوں کا ذکر کیا تھا۔ پیپلز پارٹی کے چیئرمین ان جماعتوں کے ذکر سے خوش نظر نہیں آتے تھے۔ چنانچہ ان کے جواب میں وہ جوش و خروش نہیں تھا۔ کہنے لگے

عوامی جدوجہد موجودہ حکومت کو اور زیادہ کمزور کر دے گی

"جہاں تک تعاون کا تعلق ہے ہم ہر ایک کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے لیکن تعاون صرف اسی حد تک ہو سکتا ہے جس حد تک مقاصد مشترک ہوں۔ عوام کو ان کے غصب شدہ حقوق دلانے کی تحریک میں ہم ہر جماعت کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ دائیں بازو کی بعض جماعتوں نے ہمارے خلاف باقاعدہ مہم شروع کر دی ہے یہ بات انہیں نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ اس طرح تعاون کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔

اسلام کے خلاف نعرے

"آپ کی جماعت کے کارکنوں پر الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے اسلام کے خلاف نعرے ——"

میرا سوال مکمل ہونے سے قبل ہی مسٹر جے اے رحیم نے نہایت پرجوش انداز میں اس کی تردید کر دی۔ کہنے لگے ہماری پارٹی کا منشور دیکھ لیجئے۔ اس میں ہم نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ ہماری جماعت کسی قسم کی غیر اسلامی سرگرمیوں کی حامی نہیں ہے۔ ویسے بھی ہم سب مسلمان ہیں۔ کیا آپ کسی مسلمان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اسلام کے خلاف نعرے بلند کرے گا ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ محض الزام ہے۔ سراسر

سوشلزم اور اسلام کے درمیان کسی قسم کا تضاد نہیں ہے

بہتان ہے۔ اگر آپ اس وقت کراچی میں ہوتے تو آپ خود دیکھ لیتے کہ اس ہنگامے کی ابتدا کس نے کی تھی۔ کس نے ہمارے ساتھ زیادتی کی تھی اور ہمارے کارکنوں نے کس قدر ضبط و تحمل سے کام لیا تھا۔ دائیں بازو کی جماعتیں اور حکومت محض پیپلز پارٹی کو عوام کی نظروں میں بدنام کرنے کے لئے یہ شر انگیز پروپیگنڈا کر رہی ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ اب عوام اس دھوکے میں نہیں آئیں گے

اسلام اور سوشلزم

دائیں بازو کی جماعتیں پیپلز پارٹی کی اس لئے مخالفت کر رہی ہیں کہ پیپلز پارٹی سوشلزم کا نعرہ بلند کرتی ہے اور ان جماعتوں کے خیال میں سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ ہے۔ حکومت بھی اس سلسلے میں دائیں بازو کی جماعتوں کی ہمنوائی کر رہی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ اسلام اور سوشلزم کو یکجا نہیں کیا جا سکتا۔ کیا ان کا یہ اعتراض درست ہے"؟

جناب رحیم نے ایک لمحہ توقف کئے بغیر جواب دیا۔ "اگر یہ حضرات ہمارے منشور کا مطالعہ کریں تو یقیناً ایسا نہ کہیں اور جو حضرات اس کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی یہ الزام عائد کرتے ہیں وہ دیانت داری سے کام نہیں لے رہے۔ ہم کئی بار اس کی وضاحت کر چکے ہیں کہ ہم اشتراکی نہیں ہیں۔ ہم نجی املاک کے قائل ہیں۔ اس پر کوئی پابندی نہیں لگاتے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ سرمایہ داروں کو ذرائع پیداوار پر اس طرح کا مکمل کنٹرول حاصل نہ ہو کہ وہ گراں فروشی، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری، مصنوعی قلت اور اسی طرح کے دوسرے حربوں کے ذریعے استحصال کر سکیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی غیر اسلامی نہیں بلکہ اسلام نے ہمیں عمرانی عدل کا جو تصور دیا ہے اسی کے عین مطابق ہے۔ یہ صرف ہماری رائے نہیں ہے پاکستانی عوام کی بھاری اکثریت کی رائے ہے۔ خود علمائے دین کی ایک بڑی تعداد واشگاف الفاظ میں یہ کہہ چکی ہے کہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام اسلامی نظام نہیں ہے اور سوشلزم کا جو تصور ہم نے اپنایا ہے۔ وہ عین اسلامی ہے۔

حکومت کے ساتھ مفاہمت

حکومت کے ساتھ مفاہمت کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے جناب رحیم نے کہا کہ عوامی جذبات و احساس کی ترجمان جماعت کی حیثیت سے پاکستان پیپلز پارٹی موجودہ حکومت کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت کے لئے تیار نہیں ہے۔ قوم صدر ایوب کو مسند صدارت پر متمکن دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ہم جہاں موجودہ نظام کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں وہاں ہم موجودہ حکمرانوں کو بھی محروم اقتدار کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ ان حالات میں حکومت سے رعائتیں حاصل کر کے، یا موجودہ نظام میں اصلاحات کرنے کے وعدوں پر کسی قسم کی مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ملک کی موجودہ صورتِ حال اگرچہ اس بات کا تقاضا کر رہی تھی کہ اس جماعت کے قائم مقام سربراہ سے، جس نے انتخابات لڑنے کا اعلان کیا ہے، مزید بات چیت کی جائے اور سیاسی صورتِ حال کے ہر پہلو پر ان کے ساتھ تبادلۂ خیالات کیا جائے۔ لیکن جناب رحیم کے ملنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور ہر شخص اس امر کا منتظر بیٹھا تھا کہ

ع اب یہ رخصت ہوں تو ہم کچھ کام کی باتیں کریں۔

اوپر سے انہیں لگاتار ٹیلی فون وصول ہو رہے تھے۔ جن میں سے تقریباً ہر ایک کا جواب وہ یہی دے رہے تھے کہ ذرا انٹرویو سے فراغت ہو جائے تو آپ سے تفصیلی گفتگو کروں گا۔ ان حالات میں میں نے یہی مناسب سمجھا کہ ملاقات کو مختصر کیا جائے چنانچہ میں نے ان سے آخری سوال کیا۔

"بعض حلقوں کی جانب سے یہ کہا جا رہا ہے کہ جناب بھٹو کی جانب سے صدارتی امیدوار بننے کا اعلان موقع پرستی کا مظاہرہ ہے اور انہیں یہ اعلان ڈھاکہ میں حزب اختلاف کی جماعتوں کے فیصلے سے قبل نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ اس میں کہاں تک صداقت ہے؟"

"اس بات میں کوئی بھی صداقت نہیں ہے۔" انہوں نے جواب دیا "پیپلز پارٹی نے تو بہت پہلے یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ انتخابات لڑے گی۔ اس سلسلے میں جناب بھٹو کی مختلف تقریروں کو ثبوت کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے اگر الیکشن میں شرکت کا فیصلہ آج کیا ہوتا تو ہم پر موقع پرستی کا الزام عائد کیا جا سکتا تھا۔ لیکن جب ہم نے اس بات کو اپنی پالیسی کا ایک جزو قرار دے رکھا ہے کہ ہم ہر حال میں انتخابات لڑیں گے تو ہمارے اس فیصلے پر نکتہ چینی نہیں کی جا سکتی۔ رہ گیا یہ سوال کہ ہم نے ڈھاکہ میں ہونے والے فیصلے سے قبل اس بات کا اعلان کیوں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری جماعت عوامی جماعت ہے۔ ہم اس بات کے قائل نہیں کہ بند کمرے میں ایک فیصلہ کیا جائے۔ ایک امیدوار منتخب کیا جائے اور پھر عوام سے مطالبہ کیا جائے کہ اس کے حق میں ووٹ دو۔ ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ مختلف امیدواروں میں سے ایک امیدوار کا چناؤ بھی عوام کو کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے عوام کے سامنے ایک نمائندہ پیش کر دیا ہے ایک ایسا نمائندہ جو عوام میں بے حد مقبول ہے۔ جس کے کارناموں کو عوام تسلیم کرتے ہیں اور جس کی شخصیت سے قوم متاثر ہے جو عوام کے ہر طبقے میں ہر دلعزیز ہے۔ ہم نے جمہوری انداز اختیار کر کے عوام کی رائے معلوم کرنے کی غرض سے ایک نمائندہ پیش کیا ہے اب یہ عوام کا کام ہے کہ وہ اس امر کا فیصلہ کریں کہ وہ اپنا صدارتی امیدوار کس کو بنانا چاہتے ہیں۔ یہی ہماری پارٹی کے تمام ارکان کی رائے ہے اور یہی خود مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی رائے ہے۔

سوانح

پیپلز پارٹی کے قائم مقام چیئرمین جناب جے اے رحیم ۲۷ جولائی ۱۹۰۶ء کو بمبئی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی سر عبدالرحیم برصغیر کے مسلمان رہنماؤں میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ مدراس ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور بعد ازاں مرکزی اسمبلی کے سپیکر کی حیثیت سے تمام برصغیر میں ان کو عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ فقہ پر ان کی کتاب کو اس موضوع پر آج تک سند تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس طرح جناب جے اے رحیم نے ایک ایسی فضا میں پرورش پائی جہاں سیاست کا ہر طرف چرچا تھا۔ چنانچہ انہیں سیاست کا شوق بچپن ہی سے ہے ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے وہاں سے تعلیم مکمل کرنے کے لئے جرمنی گئے اور واپسی پر انڈین سول سروس میں شامل ہو گئے اور اعلیٰ عہدوں پر خدمات انجام دیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد سے ۱۹۶۶ء میں ریٹائر ہونے تک وہ پاکستان فارن سروس کے ساتھ وابستہ رہے اور بلجیم، جرمنی، سپین، فرانس وغیرہ میں پاکستان کی سفارت کے فرائض انجام دیتے رہے ۱۹۶۶ء میں ریٹائر ہونے کے بعد کچھ عرصہ یورپ میں گذارا۔ اور ۱۹۶۷ء میں پاکستان واپس آنے کے فوراً بعد جناب بھٹو کے ساتھ پیپلز پارٹی کے قیام کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ جناب بھٹو کی گرفتاری کے بعد سے وہ پارٹی کے قائم مقام چیئرمین کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

بعدالت جناب فیض احمد اسلم سول جج صاحب شکر گڑھ
درخواست حصول سرٹیفکیٹ جانشینی
علم بی بی و نذیر احمد بنام عوام الناس

درخواست حصول سرٹیفکیٹ جانشینی مؤرخہ ۱۸/۱۲/۶۸ کو سائلان نے دائر کر دی ہوئی ہے لہذا بذریعہ اشتہار اخبار عوام الناس کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اگر نسبت درخواست کوئی عذر ہو تو بتقرر ۲۷/۱/۶۹ کو حاضر عدالت آکر پیش کریں۔

(۴۷) (مہر عدالت) (دستخط حاکم)

پاکستان کی موجودہ صورتِ حال کا عمرانی جائزہ

معاشی مداوے اور سیاسی حیلے

اقتصادی ناہمواری نے ملک کو نہایت سنگین مسائل سے دوچار کر دیا ہے

دوسری عالمی جنگ کے بعد فرانس کی حکومت نے زندگی کے ہر شعبے کے چوٹی کے آدمیوں پر مشتمل ایک کمیشن قائم کیا، تاکہ وہ اُن وجوہات اور بواعث کا سراغ لگائے جن کی بنا پر فرانس جنگ میں بیرونی حملے کی تاب نہ لا کر سب سے پہلے سرنگوں ہو جاتا ہے۔ کمیشن نے ایک ضخیم رپورٹ مرتب کی۔ خبر رساں ایجنسی نے رپورٹ کا لب لباب چار دانگ عالم میں نشر کیا۔ اس میں لکھا تھا کہ کمیشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ فرانس کے لوگوں کے مزاج میں ایسا ابتذال اور زوال آ گیا ہے کہ وہ کسی اصول یا کسی شخص کے حق میں اتنے جلدی متحد نہیں ہوتے جتنی جلدی وہ کسی کے خلاف صف آرا ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم اپنے وطنِ عزیز پاکستان کے حالات کا جائزہ لیں تو ہم پر عیاں ہو جائے گا کہ یہاں بھی لوگ مخالفت کیلئے ہر وقت کمربستہ رہتے ہیں اور مخاصمت کو بروئے کار لانے کے لئے جلدی متحدہ محاذ قائم کر لیتے ہیں۔ لیکن کسی بات یا نصب العین کے حصول کے لئے اکٹھے ہونے اور سرگرم عمل ہونے کا مسئلہ ہو تو نہ صرف لیت و لعل کرتے رہتے ہیں بلکہ حیص بیص میں ہی آپس میں گتھم گتھا ہو کر خانہ جنگی کا مکروہ نقشہ پیش کر دیتے ہیں۔

مارشل لاء سے پہلے لوگ حکومتوں سے نالاں ہو کر جلد اکٹھے ہو جاتے رہے۔ لیکن کسی حکومت کے لئے کبھی کسی پلیٹ فارم پر بنیان مرصوص بن کر نہ آ سکے۔ جب مارشل لاء کا نزول ہوا تو جو خوشی اور سرخوشی کا منظر نظر آیا وہ اتنا مارشل لاء کے لئے نہیں تھا جتنا معزول حکومت کے ارکان کے خلاف تھا۔ اُس کے بعد مارشل لاء کے فتراک کے نخچیر ہو کر رہ گئے۔ کیونکہ جرنیلی بندوبست نے تنقید و تبصرہ کا بازار ٹھنڈا کر دیا۔ ۱۹۶۲ء کے آئین کے بعد ذرا نرمی آئی تو عوام اپنی عادتِ مستمرہ کے مطابق آئین کے حق سے زیادہ اُس کے خلاف سرگوشیاں کرنے لگے۔

> ہم کسی اصول یا شخصیت کے حق میں متحد نہیں ہوتے لیکن مخالفت کیلئے فوراً ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں

اب دوسرا صدارتی انتخاب قریب آ رہا ہے۔ تو تمام سیاسی پارٹیاں صف آرا نظر آتی ہیں۔ ایبڈو زدہ سیاست دان معنی ماضی کہکر میدان میں نکل آئے ہیں۔ لیکن اُن کی معقول باتوں اور مدلل احتجاج پر اُن کے متعفن ماضی کے سائے پڑ رہے ہیں۔ لوگ مقال سے ضرور متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن من قال کے لئے اپنے دل میں کوئی جذبۂ احترام نہیں پالتے اور نہ صرف دل میں بلکہ بیانگ دہل ان لیڈروں سے کہتے ہیں۔

ایئر مارشل اصغر خان

تحریر: عین الملک

"اے صبا این ہمہ آوردۂ تست"

تاہم اپنی پرانی نفسیاتی روایات کے مطابق مخالفت کے نشہ سے مخمور ہو کر اکٹھے ہو گئے ہیں۔ حالانکہ ان کے نظریے متضاد اور متصادم ہیں۔ بساطِ سیاست پر تازہ واردوں کے تازہ خون اور بے عیب ماضی نے ایک نئی لہر دوڑا دی۔ اور خوف کے قفل کھل گئے ہیں۔ تحریک جمہوریت والوں کو بھی بے خوف زبان مل گئی ہے اور ان کے لب و لہجے میں توانائی آ گئی ہے۔ جہاں تک مخالفت کا تعلق ہے۔ سب کے سب موجودہ نظام کے خلاف کمربستہ ہیں۔ یعنی نفی پر تو ثابت قدم ہیں۔ لیکن مثبت بات کے لئے ان میں کوئی اتفاق اور اتحاد دوربین سے بھی نظر نہیں آتا۔ محض لب بستہ ہونا نہ اتحاد کی دلیل ہے نہ مستقبل میں کامیابی کی ضمانت۔ اساسی اور بنیادی مسئلہ عمرانی عدل (SOCIAL JUSTICE) اور معاشی انصاف کا ہے۔ اس پر حزبِ اختلاف کی تمام جماعتیں نہ صرف نصب العین بلکہ طریق کار پر ایک دوسری کی سخت مخالف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخاب کے بعد متحدہ محاذ انتشار کا شکار ہو گیا تھا۔ نفی پر اتحاد تب ہی موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے اگر اثبات پر بھی اتحاد ہو۔ یعنی یہ طے پا جائے کہ کامیابی کی صورت میں باہمی تصادم نہیں ہو گا۔ اور سنگین معاشی مسائل متفقہ نہج پر حل ہوں گے۔ اگر موجودہ نظام کے مخالفین کی اُمید بر آ جائے تو یہ بات ابھی سے اظہر من الشمس ہے کہ وہ کسی ایک شخص کی صدارت پر متفق نہ ہو کر آپ بھی پریشان ہونگے اور اپنے مؤیدین کو بھی پریشان اور پشیمان کریں گے۔ بلکہ اس بات کا صریح خطرہ ہے کہ شاید وہ اس بات پر بھی متفق نہ ہو سکیں کہ کس صوبے کا لیڈر صدارتی مسند پر بیٹھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اتفاق مصلحت آمیز ہے اور نظری اختلاف بڑا عمیق ہے کیونکہ حزبِ اختلاف کی جماعتوں کے متعلق آدمی کہہ سکتا ہے کہ ان میں کسی ایک میں بھی مفاہمت کی کوئی گنجائش نہیں۔

کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْہِ فَرِحُوْنَ

کا معاملہ ہے۔ ہر جماعت اپنے لائحہ عمل پر مطمئن ہے۔ اور افہام و تفہیم کے لئے تیار نظر نہیں آتی۔

حکمران پارٹی بظاہر متحد ہے لیکن جس چیز نے اس کو اکٹھا کر رکھا ہے وہ صدر کی مقتدر شخصیت ہے۔ اور اس خطرے نے بھی اس کو متحد کر رکھا ہے۔ کہ اقتدار کے ختم ہونے کے بعد جو احتساب و محاسبہ ہو گا وہ بہت سنگین ہو گا۔ کیونکہ یہ اپنے نہ کرنے یا نہ کر سکنے کا بار کسی اور پر ڈال نہیں سکتے۔ جمہوریت میں ایک گنجائش یہ ہوتی ہے کہ حالات کی خرابی کی

پاکستان کا بنیادی مسئلہ عمرانی عدل کا مسئلہ ہے جس میں حزبِ اختلاف میں اتفاقِ رائے نہیں ہے

مہ داری کئی شانوں پر ڈالی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جمہوری دور یں حکومتیں بدلتی رہتی ہیں۔ لیکن شخصی اقتدار میں حکومت کی مر طویل ہوتی ہے۔ حکومت جو چاہے بلا روک ٹوک کر کتی ہے۔ دس سال کا عرصہ بھی خاصا طویل ہے۔ اس لئے کہنا بھی بہت مشکل ہے کہ موقعہ نہیں ملا۔ ہمارے سامنے حالات ہیں وہ یہ ہیں کہ دس سال کے بعد رشوت ستانی بڑھتی ہوئی طغیانی کی طرف توجہ ہوئی ہے۔ حالانکہ

جناب محبوب مرشد

یہ روگ اسی دس سال میں عمیق اور وسیع ہوا ہے۔ اربابِ اختیار اور ان کے مبلغین اس بات کو سرِ عام تسلیم کرتے ہیں کہ ایڈمنسٹریشن کو خیانت نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ایک مذاکرے میں بڑے بڑے حکام نے اس انحطاط کا ذکر کیا۔ اگر یہ بات ٹھیک ہے تو اس ایڈمنسٹریشن نے بائیس ارب روپیہ کا قرضہ اسی طرح استعمال کیا ہوگا جس طرح یہ داستانِ خاص و عام مشہور ہو چکی ہے۔ دس سال کے بعد غنڈوں کی سرکوبی کی مہم کا آغاز ہوا ہے۔ حالانکہ غنڈہ گردی نے اسی عرصہ میں اپنے پیر پھیلائے ہیں۔ تعلیم کا مسئلہ دس سال کے بعد ہنوز روزِ اول کا مصداق ہے۔ اب دس سال کے بعد تعمیری توجہ مبذول کرنے کا وعدہ دیا جا رہا ہے۔ وطنِ عزیز کے اہم ترین شہر ابتلاؤں کی آماجگاہ بن گئے ہیں اور حکومت اب سعی بلیغ کرنے کا اعلان کرنے لگی ہے۔ خرکاروں کا مسئلہ کھٹائی میں چلا گیا ہے۔ قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں جس چیز کی قیمت کو اعتدال پر لانے کا اعلان ہوتا ہے۔ وہ ہی بے قابو ہو کر رہ جاتی ہے اور اربابِ اختیار صبر کی تلقین پر زور دیتے ہیں۔ صدر محترم نے اپنی حالیہ تقریر جو گورنمنٹ ہاؤس میں کارپردازان کنونشن مسلم لیگ کے سامنے کی، قیمتوں کے متعلق محض یہ فرمایا کہ حکومت نے اس ضمن میں پوری کوشش کی ہے۔ لوگوں کو اپنی ترقی پر مطمئن نہیں ہو جانا چاہیئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ حکمرانوں نے اس دس سالوں کو تجربے کے سال سمجھے ہیں۔ اب مزید دس سالوں میں اس تجربے کو بروئے کار لائیں گے۔ اس پر اعلان ہوتا ہے کہ ’عوام مسلسل استحکام اور خوشحالی سے بیزار ہو گئے ہیں۔“

جب "مخلصانہ" بے خبری کا یہ عالم ہو وہاں اصلاح کے لئے ایک عمر درکار ہے۔ ہر قومی مسئلے کے متعلق ان دس سالوں میں ایوانِ اقتدار سے ایک بیان صادر ہوتا رہا ہے۔ اور اس بیان کو اسم اعظم سمجھ کر پیش کیا جاتا رہا۔ لیکن آج اُنہیں مسائل کے متعلق نئے سرے سے کمیشن مقرر کرنے کے اعلان ہو رہے ہیں۔ مثلاً یونیورسٹی آرڈی ننسوں کے متعلق حکومت نے اس سے پہلے ان کو دانشمندی کا حرفِ آخر سمجھ کر پیش کیا اور ان میں ترمیم کے تصور کو بھی گوارا نہ کیا۔ اب ان کی ترمیم کے دن رات وعدے ہو رہے ہیں۔ گویا حکومت نے دس سال کے بعد اعتراف کیا ہے کہ وہ دس سال تک ان مضر احکام کو محض طاقت کے بل بوتے پر ٹھونستی رہی ہے۔ اب یہ حکومت تلافی مافات کے لئے مزید مہلت کے لئے بے قرار ہے۔ اس میں کتنی معقولیت ہے وہ عیاں ہے اپوزیشن اور اس کا ارتعاشی اتحاد حکومت کی سرد مہری کی کوکھ سے پیدا ہوا ہے۔ حکومت فلک شگاف عمارتوں اور معدودے چند سرمایہ کاروں کے وجود کو ترقی سمجھتی ہے۔ شاید یہ بات کسی حد تک سرمایہ دارانہ نظام میں ٹھیک بھی ہو۔ لیکن اگر سوادِ اعظم محروم ہے اور محروم چلا جا رہا ہے تو ایک شخص یہی کہہ سکتا ہے کہ حکومت کے اعلانات میں الفاظ کی بہار اور معنی کی خزاں ہے

اصل مسئلہ معاشی ہے۔ فرانس کے فلسفی تمثیل نگار وکٹر ہیوگو نے ٹھیک کہا تھا۔ "پیٹ انسان کو کھا جاتا ہے"۔ سرمایہ دارانہ نظام کو کسی نے کھانے کی میز سے تشبیہہ دی ہے۔ جس کے ایک سرے پر کھانے والے ہیں اور کھانا کوئی نہیں۔ دوسرے سرے پر کھانے کی افراط ہے لیکن کھانے والا کوئی نہیں۔ کیونکہ سرمایہ دار کو پیٹ کی بھوک کی بجائے سونے چاندی کی بھوک رہتی ہے۔ اس نظام میں ایک طبقہ بسیار خوری کا شکار ہو کر دائم المرض ہو جاتا ہے۔ دوسرا اکثر طبقہ کم خوری بلکہ مخوری سے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کیفیت کو اجاگر کرنے کے لئے ایک واقعہ کا ذکر ضروری ہے جس کو برنارڈ شا نے بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ ایک جاگیردار معدے کی امراض کا شکار تھا۔ اس کو ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ وہ علی الصبح پیدل سیر کرے۔ اس سے

خان عبدالقیوم خان

اس کو بھوک لگے گی۔ وہ اپنے کھیتوں میں سیر کے لئے گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی اس کے کھیت سے آلو نکال رہا ہے۔ اس نے پوچھا۔ "تم کیا کر رہے ہو۔؟" جواب ملا "بھوک کے لئے ناشتہ لے رہا ہوں۔" (I am getting breakfast for appetite.) اس جواب سے جاگیردار ششدر رہ گیا۔ اتنے میں آلو چرانے والے نے جاگیردار سے پوچھا کہ وہ اس وقت کیا کرنے آئے ہیں۔ تو جاگیردار نے جواب دیا: "ناشتہ کے لئے بھوک لینے آیا ہوں۔"

(Gettingappetite for breakfast)

یہ کیفیت ہے پاکستان کی۔ جرائم میں اضافہ معاشی عسرت سے پیدا ہوا ہے۔ اس کو قید و بند سے ٹھیک کرنے کی سعی لاحاصل ہو رہی ہے۔ دس سالوں میں بیس خاندانوں میں یا بیس نہیں تیس خاندانوں میں دولت مرتکز ہو گئی ہے۔ یہ کیسی تلخ حقیقت ہے کہ "دولت" جس کے معنی گردش کرنے والی چیز ہے وہ چند گوشوں میں آ کر ڈھیر بن گئی ہے اور گردش سے محروم ہو کر کروڑوں انسانوں کو محرومی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس کیفیت کا سارا بار شہریاروں پر ہے یا اُن مشیروں پر ہے جنہوں نے یہ مشورہ دیا کہ لوگ مسلسل خوشحالی سے اکتا کر حزبِ اختلاف کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ حکومت کی نیت پر حملہ مقصود نہیں۔ کسی حکومت کی یہ نیت نہیں ہو سکتی

حکومت اصلاحِ احوال کے لئے جن اقدامات کا آج وعدہ کر رہی ہے وہ اس کو دس برس قبل کرنے چاہئیں تھے

جماعتِ اسلامی سرمایہ داری کی مخالفت نہ کرنے کی وجہ سے عوام میں مقبول نہیں

کہ اس کی رعایا بھوکوں مرے۔ لیکن جب سارا نظام Free - Economy) - آزاد معیشت کا ہو تو اس میں اصولاً" اور عملاً" سرمایہ دار ہی آزاد ہوتے ہیں اور وہ ہی امیر سے امیر تر اور امیر ترین بنتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں لوگ غریب ہوتے ہیں اور پھر غریب سے غریب تر اور غریب ترین ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جس نظام کی بنیاد اس پر ہو کر دس کروڑ انسان براہِ راست رائے کے حق کے اہل نہیں اور وہ آئین بنانے کے بالکل اہل نہیں۔ اس آئین میں حُسنِ نیّت اور نیک ارادہ کے ہوتے ہوئے بھی وہ اہلیت پیدا نہیں ہو سکتی کہ وہ عمرانی عدل والا نظام بروئے کار لا سکے۔ شاید مزید دس سال ملنے پر کوئی معجزہ رونما ہو۔ لیکن بادی النظر میں موجودہ شہریار جو کر بیٹھے ہیں اُس کو اُس طرح درست نہیں کر سکتے جس طرح

میاں ممتاز دولتانہ

عوام چاہتے ہیں۔ یا اُن کی سیاسی پارٹیاں چاہتی ہیں۔ اس لئے حزبِ اختلاف کی مختلف جماعتوں کے سامنے ایک سنگین مرحلہ ہے۔ یہ بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ جو کچھ ہو چکا ہے اُس پر خطِ تنسیخ کھینچ کر کسی اور نظام کی داغ بیل ڈالیں اور لوگ دس سال اُس کے ثمر در ہونے کی انتظار میں رہیں۔ نہ ہی ان جماعتوں کے باہمی اختلاف کے ہوتے ہوئے یہ ممکن ہے کہ یہ ایسا طرح مصرع ڈالیں کہ نظام افادیت عام کے خطوط پر لا کر ازالۂ نقائص کریں اور ایسی اصلاحات لائیں جو زود اثر ہوں۔ آیئے ہم حالات کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ موقعہ ملنے کی صورت میں حزبِ اختلاف کی جماعتوں میں اصلاحِ احوال کی کتنی استعداد ہے۔

موجودہ حکومت نے دارالحکومت اسلام آباد بنا دیا ہے مالی سال بدل ڈالا ہے۔ حکومتی نظام کو صدارتی سانچے میں ڈھال کر رکھ دیا ہے۔ اگر حزبِ اختلاف ان تغیرات کو رہنے دیتی ہے تو اس کے دعوے باطل ہوتے ہیں۔ اگر ان کو بدل ڈالتی ہے تو ملک کا انجر پنجر ہل جائے گا۔ اس حکومت کے زیرِ سایہ ایڈمنسٹریشن میں خرابیاں محض اس وجہ سے راہ پا گئیں کہ اس نے بے تحاشا دفتری نظام کو بدل ڈالا اور بات بات پر تبدیلیاں کرتی رہی۔ یہ پہلا سنگین معمہ ہے جس کے متعلق اپوزیشن کو ابھی سے اپنی سوچ بچار کا موضوع بنانا ضروری ہے۔

حزبِ اختلاف میں قابلِ ذکر اور لائقِ احترام چند نام ہیں جن کے ذکر سے جماعتی کیفیت بھی سامنے آ جاتی ہے۔ پہلا نمبر مکرم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا ہے۔ وہ اپنے رنگ میں ملک کے لئے مغتنمات میں سے ہیں۔ اُن کے وسیع اور وقیع لٹریچر سے اسلامی روح بیدار ہوئی ہے۔ لیکن سیاست کے آسمان پر وہ شہابِ ثاقب بن کر آئے۔ حالانکہ ابتدا میں اُن کی تحریریں اس طرح کی تھیں جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ انتخابات سے اجتناب کریں گے۔ ہر چند کہ مولانا صاحب بے حد احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اُن کی جماعت کو نہ موجودہ دور میں نہ اس سے پہلے انتخابات میں کوئی کامیابی نصیب ہوئی۔ گویا سوادِ اعظم میں ان کی سیاست کو وہ پذیرائی نصیب نہیں ہوئی جو اُن کے بلند بانگ دعاوی کے مطابق ہونی چاہیئے تھی۔ اس کی ایک وجہ بھی ہے وہ یہ کہ اسلامی جماعت سرمایہ کارانہ نظام کی مخالف نہیں چاہے اس کی مخالفت خفی قسم کی ہے۔ لیکن ہے بہت مؤثر۔ وہ موجودہ معا ڈھانچے میں ردّ و بدل نہیں ہونے دیں گے۔ کیونکہ قومی تملیک اور زرعی اصلاحات کو وہ اسلامی اصول کے منافی سمجھتے ہیں سرمایہ دارانہ حکومتیں اور مذہبی تنظیمیں سرمایہ دارانہ نظام ہی خوب پروان چڑھتی ہیں۔ کیونکہ اول الذکر کو ٹیکس مل جاتے ہیں۔ اور موخرالذکر کو چندوں کا سہارا مل جاتا ہے اگر دولت کا ارتکاز رفع ہو جائے تو یہ کیفیت نہیں رہتی اگر مولانا صاحب برسرِ کار آ جائیں تو ان کے پاس کون سا نسخہ ہے جس سے وہ ۹۹ فی صد لوگوں کی بے راہ روی کو دور کر دیں گے۔ ان کو یقیناً سوادِ اعظم کے مزاج کے ساتھ مفاہمت کرنی پڑے گی۔ یہی موجودہ حکومت کا موقف ہے۔ حزبِ اختلاف میں مکرم چوہدری محمد علی صاحب ہیں

چوہدری محمد علی

ان کی لیاقت اور دیانت مسلم ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں کون سا کام سرانجام دیا۔ اگر کوئی بات کی تو یہی کہ نااہلیت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے منصب سے الگ ہو گئے۔ یہ ابھی تک کسی نے نہیں کیا۔ بلکہ جوں جوں نااہلیت عیاں ہوتی گئی۔ جبر و اکراہ سے اقتدار سے چمٹے رہے۔ لیکن فرار اور اعترافِ عجز آئندہ کچھ کر سکنے کی کوئی ضمانت نہیں مکرم میاں محمد ممتاز دولتانہ بڑے پڑھے لکھے اور زیرک سیاست دان ہیں۔ ان کو خوب موقعہ ملا۔ لیکن یہ بھی کچھ نہ کر سکے۔ اور کچھ نہ کر سکنے کے بارے میں وہ وہی جواز پیش کرتے رہے جو موجودہ حکومت پیش کر رہی ہے۔ ان کا ایک کام تاریخی ہے وہ ہے ان کا مرکزی حکومت کے خلاف خروج جو ۱۹۵۳ء میں رونما ہوا اور لاہور آتش کدہ بن کر رہ گیا اور یہ مارشل لاء

باقی ص ۳۹ پر

موجودہ حکومت دولت کے ارتکاز اور بدعنوانیوں میں اضافے کو روکنے میں ناکام ثابت ہو چکی ہے

فرقہ پرست رہنماؤں کے نزدیک بھارت سے وفاداری کی تین شرطیں

◆ ہندی بھاشا ◆ گئو رکھشا ◆ کرشن جی کی پوجا

”جو مسلمان اِن شرائط کو تسلیم نہیں کرتے وہ پاکستان چلے جائیں“

روزنامہ آبشار کلکتہ (بھارت) میں مولانا شاہد رام نگری کا ایک مضمون ”فسطائی طاقتیں اور مسلمان“ کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے ہندو فرقہ پرستوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی حالتِ زار کا تذکرہ کیا ہے اور اپنے مسلمان بھائیوں کو تلقین کی ہے کہ وہ متحد ہو کر فرقہ پرستی کے اس فتنے کا مقابلہ کریں ہم یہ مضمون ”روزنامہ آبشار“ کے شکریے کے ساتھ نذرِ قارئین کر رہے ہیں۔ جس سے اس بات کا اندازہ ہو سکے گا کہ ”سیکولر“ بھارت میں اس وقت مسلمانوں کی کیا حالت ہے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ مسلمان آپس کے اختلافات کو بھلا دیں اور وحدتِ کلمہ کی بنیاد پر متحد ہو جائیں تو ہمارا ہرگز مقصد یہ نہیں ہوتا کہ سارے مسلمان اپنے اپنے عقائد نظریات اور خیالات سے دست بردار ہو کر کسی ایک عقیدے نظریے اور مسلک کو قبول کر لیں۔ ہم یہ بات اس لئے بھی نہیں کہتے کہ اپنے گرد مسلمانوں کی بھیڑ جمع کر کے قیادت و رہنمائی کی دوکان کو آراستہ کریں کوئی سیاسی فائدہ یعنی اسمبلی کی کرسی اور وزارت کا عہدہ حاصل کرنا بھی ہمارا مقصود اور مطمع نظر نہیں ہے۔ ہمارے سامنے صرف ایک ہی چیز ہے ملت کا اجتماعی مفاد اور اس کے وجود کی بقا اور حفاظت آج ہم اتحادِ ملی کی دعوت دیتے ہیں تو ہماری نظر اس خطرے پر ہوتی ہے۔ کہ جو اس وقت مسلمانوں کے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ یہ خطرہ عقیدہ نظریہ اور مسلک کی بنا پر مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں کرتا اس خطرے کی زد میں ہر وہ مسلمان ہے جو ایک خدا پر یقین رکھتا ہے۔ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کا اعلان کرتا ہے یہ خطرہ کوئی ڈھکا چھپا نہیں۔ ہر مسلمان دیکھ سکتا ہے اور دیکھ رہا ہے۔ اب تک رونا فرقہ وارانہ فسادات اور جان و مال کی تباہی و بربادی کا تھا۔ اب خطرے کے ہاتھ لمبے ہوتے جا رہے ہیں اور بات ایمان و اسلام کی سلامتی تک پہنچ گئی ہے۔ آج بحث کا موضوع یہ نہیں کہ بہ حیثیت ہندوستان کے شہری کے مسلمانوں کے کیا حقوق ہیں بلکہ بحث اس بات پر ہو رہی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو بہ حیثیت مسلمان کے اس ملک میں رہنے کا حق بھی حاصل ہے یا نہیں۔ یہ بحث بند کمروں میں نہیں بلکہ پبلک پلیٹ فارم سے ہزاروں کے مجمع میں اور بڑے بڑے اخبارات کے کالموں میں چل رہی ہے۔ ۱۸ر نومبر کی بات ہے کہ آگرہ میں راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے سردسنچالک گرد گوالکر نے ۵۰ ہزار کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے یہ سوال اٹھایا۔ انہوں نے صاف لفظوں میں کہا کہ ہندو سماج ہندو راشٹریہ ہے، اور جو لوگ اس کے مخالف ہیں ان کو ہندو سماج سے نکال کر باہر کر دینا چاہیئے۔ اور کہہ دینا چاہیئے کہ جو تمہارا ہے تم اس کے پاس جاؤ۔ ہمارا تمہارا کوئی رشتہ نہیں کوئی تعلق نہیں“۔

یہ دھمکی مسلمانوں کو نہیں بلکہ ان لوگوں کو دی جا رہی ہے جو متحدہ قومیت کے حامی ہیں اور جو بہ حیثیت اقلیت کے مسلمانوں کے حقوق کی حمایت کرتے ہیں گرد گولوالکر نے مسلمانوں کے بارے میں کہا۔ کہ زیادہ تر مسلمان زبردستی مسلمان بنا لئے گئے ہیں وہ پہلے ہندو ہی تھے ان کے دل میں ہندو خون بہہ رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کو بتایا جائے کہ تم ہندو ہی ہو اگرچہ تمہارے خون کی تیزی کچھ کم ہوگئی ہے تمہاری زندگی ہندو زندگی ہے تم ـــــ زیادتی نہ سہنے کی وجہ سے مسلمان ہو گئے تھے تم کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ تم اپنے کو مسلمان یا عیسائی سمجھ کر مذہبی غلامی اختیار کئے ہوئے ہو اب وقت آگیا ہے کہ غلامی کے اس پٹے کو اتار کر پھینک دو۔ اور ہندو راشٹر میں شریک ہو جاؤ اور اس طور پر اپنی زندگی کو پاک بناؤ اور ملک کی پرانی روایات کو اختیار کر کے ہندو راشٹر کا ساتھ دو۔ گرو گولوالکر نے آگرہ سے پہلے بنارس میں تقریر کی۔ بہت بڑا اجتماع تھا۔ جون پور مرزاپور اور بنارس ان تینوں اضلاع سے لے کر آر ایس ایس اور جن سنگھ کے رضاکار اور کارکن بھاری تعداد میں شریک ہوئے ان سے خطاب کرتے ہوئے گرو جی نے تقریباً انہیں خیالات کا اظہار کیا جو مذکورہ بالا سطور

باقی ص ۴۹ پر

بھارت کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین

آنجہانی شاستری کی برسی کے موقع پر

بھارتی
مسلمانوں کی حالتِ زار
خود بھارتی اخبارات
کی زبانی

سیاسی جائزہ

ع۔ر۔ف

انتخابات کا بائیکاٹ! کیا یہ قومی مسائل کا حل ہے؟

کیا ووٹوں کی بجائے نعروں سے حکومت تبدیل کرنے کی مہم پُرامن رہ سکے گی؟

تحریک جمہوریت نے ڈھاکہ میں طویل غور وفکر اور بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ وہ آئندہ عام انتخابات میں کسی سطح پر بھی شرکت نہیں کرے گی، کیونکہ اس کے نزدیک موجودہ نام نہاد آئین ایک شخص کی آمریت کا مسلط کردہ ہے جو عوام کی، فرمانروائی کی براہِ راست نفی کرتا ہے اور آزادی و جمہوریت اور بنیادی انسانی حقوق کے ہر ایک واضح اصول کا شرمناک حد تک مذاق اڑاتا ہے۔ اس آئین کے تحت ہونے والے انتخابات عوام کے ساتھ ایک ایک فریب اور دھوکے کی حیثیت رکھتے ہیں جن کا مقصد موجودہ شخصی آمریت کو مضبوط کرنا ہے۔ گذشتہ انتخابات نے ثابت کر دیا ہے کہ اس نظام کے تحت رائے عامہ کی معمولی سی بھی عکاسی یا ایمانداری، معقولیت، وقار اور انصاف کا مظاہرہ نہیں ہو سکتا۔

تحریک جمہوریت کے مختلف رہنما اس سے قبل بھی اس قسم کی رائے کا اظہار کر چکے ہیں اور اس بات کا بار بار اعادہ کر چکے ہیں کہ بنیادی جمہوریتوں کے موجودہ نظام کے تحت کسی مخالف جماعت کے لئے یہ بات ممکن ہی نہیں رہی کہ وہ برسرِ اقتدار جماعت کو شکست دے سکے۔ اس نظام کے تحت ایسے چور دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ جن سے برسرِ اقتدار جماعت اپنے نمائندوں کو اسمبلیوں میں اور صدارت کی کرسی پر پہنچا سکتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا رہا ہے کہ اس نظام نے ملک میں سیاسی رشوت اور انتخابات میں دھاندلی کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار ۱۹۶۵ء کے انتخابات سے قبل بھی کیا جاتا تھا۔ اور اس کے بعد بھی کہا جاتا رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود حزب اختلاف نے گذشتہ انتخابات میں شرکت کی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ کسی بھی مخالف جماعت کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی آئینی راستہ ایسا نہیں ہے جس کے ذریعے وہ حکومت کو تبدیل کر سکے۔ تحریک جمہوریت نے ایک ناکام تجربے کے بعد اب اس راستے کو بہت زیادہ کٹھن قرار دے دیا ہے اور اس پر چلنے سے انکار کر دیا ہے۔ اب لامحالہ سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر وہ اس میدان میں اپنے مخالفوں سے پنجہ آزمائی کے لئے تیار نہیں ہیں تو پھر ان کی جدوجہد کا متبادل محاذ کیا ہو گا؟

اس اہم سوال کا جواب تحریک جمہوریت کی قیادت نے ان الفاظ میں دیا ہے۔

"تحریک جمہوریت کی قومی عاملہ صورتِ حال کے ہر ایک پہلو کا اچھی طرح بالغ نظری سے فیصلہ کرتی ہے کہ وہ موجودہ آئین کے تحت جو یکسر ناقابلِ قبول ہے انتخابات کے مضحکہ خیز فریب میں کسی مرحلے پر حصہ نہیں لے گی۔ قوم کو چاہیئے کہ وہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہِ راست انتخابات کے ذریعے ملکی جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد میں عزم و اعتقاد کے ساتھ تحریک کی حمایت کرے۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آزادانہ اور منصفانہ جمہوری انتخابات میں پاکستانی عوام کو عوامی فرمانروائی کے پیدائشی حق کے استعمال کا موقع ملنا چاہیئے۔ اس کے لئے چند شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے تحریک جمہوریت ان کو پورا کرانے کے لئے تمام دوسری جمہوری طاقتوں کے مکمل و پرخلوص تعاون سے انتھک اور منظم و پرامن تحریک چلانے کا فیصلہ کرتی ہے تاکہ موجودہ رسوائے زمانہ آمریت کو ایسے مکمل آزادانہ اور غیر پابند جمہوری نظام سے بدل دیا جائے جو مکمل سماجی و اقتصادی انصاف لا سکے۔۔۔۔"

اس طرح تحریک جمہوریت نے انتقالِ اقتدار کی جدوجہد کا فیصلہ بیلٹ بکس کے ذریعے کرنے کی بجائے سڑکوں، گلیوں اور جلسہ گاہوں میں کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس فیصلے پر عمل درآمد کرنے کے لئے "جمہوری مجلسِ عمل" قائم کر دی ہے۔ اس متحدہ محاذ میں تحریک جمہوریت میں شامل پانچ سیاسی جماعتوں یعنی مسلم لیگ (کونسل)، جما اسلامی، قومی جمہوری محاذ، عوامی لیگ، اور نظام اسلام پار کے علاوہ تین دوسری جماعتیں یعنی عوامی لیگ کا وہ گروہ جو چ نکاتی پروگرام کا حامی ہے۔ جمعیت العلمائے پاکستان ا نیشنل عوامی پارٹی کا وہ گروہ جو روس کا حامی ہے۔ شامل ہیں۔ اب تک اس مجلسِ عمل کے پروگرام کے بارے میں جو اطلاعا موصول ہوئی ہیں ان کے مطابق بحالیٔ جمہوریت کی اس منظم مہ اور پرامن عوامی تحریک کا آغاز ۱۷ر جنوری سے ہو گا۔ اس رو سارے ملک میں جلسے، جلوس، اور مظاہرے کئے جائیں گ اور آئندہ دو ماہ کے اندر اندر ملک بھر میں ہمہ گیر عام ہڑتال کرائی جائے گی جس کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

اس مرحلے پر ایک سوال ہر ذہن میں بار بار ابھرتا ہے:-

"کیا یہ تحریک پرامن رہ سکے گی؟"

تحریک جمہوریت میں جتنی جماعتیں بھی شامل ہیں وہ سب ک سب جمہوریت کی علمبردار ہیں۔ ان میں سے کوئی جماعت بھی ا نہیں ہے جو غیر آئینی ذرائع کے استعمال کی یا کسی قسم کی توڑ پھو اور تخریب پسندی کی حامی ہو۔ ان کے موجودہ اعلان میں

حزبِ اختلاف اور
حکومت دونوں کو
ملک اور جمہوری اقدار
کی بقا کے لئے
کام کرنا چاہئے

ہی بار بار یہ کہا گیا ہے کہ تحریک پرامن ہوگی۔ لیکن ان جماعتوں ے تجربہ کار اور جہاں دیدہ رہنما یقیناً اس مسئلے میں ہمارے اتھ اتفاق کریں گے کہ اس قسم کی تحریکوں کو پرامن رکھنا مشکل ی نہیں محال ہوتا ہے۔ گذشتہ دنوں ملک میں جو کچھ ہوتا ا ہے وہ ہمارے سامنے ہے اور اس کو دیکھتے ہوئے ہم یہ ہہ سکتے ہیں کہ تحریک کو پرامن نہیں رکھا جا سکتا۔ اس امر ا امکان ہر وقت رہتا ہے کہ شرپسند اور سماج دشمن عناصر وامی تحریک کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے لئے ڑ پھوڑ اور لاقانونیت شروع کر دیں۔

اس سلسلے میں اہم ترین پہلو یہ ہے کہ حکومت اگر تحریک کو ختم کرنے کی موجودہ روش پر گامزن رہی، شہروں میں دفعہ ۱۴۴ نافذ رکھی گئی، جلسوں اور جلوسوں پر پابندی عائد رہی۔ جھنڈے لے کر نکلنا، نعرے لگانا اور بینر اٹھانا ممنوع رہا اور اسی طرح کی دوسری پابندیاں جاری رہیں تو تحریک کے قائد کیا کریں گے بہ ظاہر تو ان کا ارادہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام حکومتی احکام کی خلاف ورزی کی جائے اور پابندیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مظاہرے کئے جائیں ہڑتالیں کرائی جائیں اور اس طرح حکومت کے نظم و نسق کو ناکام بنا دیا جائے۔

اس صورت میں حکومت کا ردِ عمل کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ صدرِ مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں واضح الفاظ میں کہہ چکے ہیں کہ موجودہ حکومت ان سابقہ حکومتوں کی طرح نہیں ہے جو جہانگیر پارک میں ایک جلسے کے انعقاد سے خوف زدہ ہو کر مستعفی ہو جاتی تھی۔ حکومت اس بات کا عزمِ صمیم رکھتی ہے کہ اس نے گذشتہ دس سال کے دوران جو کچھ حاصل کیا ہے اس کی ہر قیمت پر حفاظت کی جائے اور اس مقصد کے لئے حکومت اپنے تمام وسائل استعمال کرے گی۔

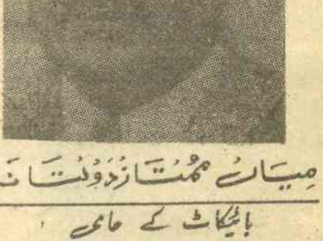

میاں ممتاز دولتانہ
بائیکاٹ کے حامی

ایک دوسرے کو دھمکیاں دینے کی بجائے افہام و تفہیم کے ذریعے موجودہ صورتِ حال کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے؟

فریقین کے رویے میں لچک کی اس کمی کا لازمی نتیجہ ٹکراؤ اور تصادم ہوتا ہے اور اس تصادم کا مطلب ہے تشدد، توڑ پھوڑ اور تخریب۔ اس صورتِ حال سے کس کو فائدہ پہنچے گا کسی کو بھی نہیں اور سب سے زیادہ نقصان ان عوام کو ہی اٹھانا پڑے گا جن کی حاکمیت کی بحالی کے نام پر یہ سب کچھ ہو رہا ہے یہ امر اپنی جگہ درست ہے کہ ہر اصول کی خاطر قربانیاں دینی پڑتی ہیں اور کوئی نئی تحریک اس کے حامیوں سے قربانی کا خراج وصول کئے بغیر کامیاب نہیں ہوتی۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک میں تحریک نے جو رنگ اختیار کر لیا ہے وہ ان تحریکوں سے ملتا جلتا ہے جو نوآبادیات میں غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف چلائی جاتی ہیں۔ وہ اس سے بہت مختلف ہوتی ہیں ان کے پس منظر میں وہ شدید نفرت و حقارت اور ایک دوسرے کو سرے سے برداشت نہ کرنے کا وہ جذبہ نہیں ہوتا جو غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف تحریکوں کی امتیازی خصوصیت ہوتی ہے پاکستان میں آج کل جو سنگین صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے اس کے لئے ہم صرف تحریکِ جمہوریت کو ہی موردِ الزام قرار نہیں دے سکتے اگرچہ اس کے زیرِ تبصرہ فیصلے سے ہمیں مکمل اتفاق نہیں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جس طرح حزبِ اختلاف کو حکومت کے خلاف تحریک چلاتے وقت یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ موجودہ حکومت بھی بہر حال ملک کی بہی خواہ ہے، خواہ سیاسی نظریات کے اعتبار سے وہ حزبِ اختلاف کے لئے کتنی ہی ناپسندیدہ کیوں نہ ہو، اسی طرح حکومت کو بھی یہ محسوس کرنا چاہیے کہ اس کی پالیسی سے اختلاف کرنے والے بھی محبِ وطن ہیں۔ حکومت پر نکتہ چینی کرنے والوں کو ملک و قوم کا غدار قرار دینا۔ ان کو شرپسند، علیحدگی پسند، انتشار پسند، اقتدار پسند اور دشمنوں کا ایجنٹ قرار دینا بہت بڑی زیادتی ہے۔ جس کا ارتکاب ہمارے ملک کے اربابِ اقتدار اکثر کرتے رہتے ہیں۔ اس سے بڑی زیادتی یہ ہے کہ سیاسی مخالفوں کے ساتھ سلوک بھی وہی روا رکھا جاتا ہے جو ملک کے دشمنوں کے ساتھ روا رکھا جانا چاہیے۔ اس طرح مخالف جماعتوں اور برسرِ اقتدار جماعت کے درمیان خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہے اور دونوں کے درمیان نفرت و حقارت کی ایک آہنی دیوار بلند ہوتی جا رہی ہے

حزبِ اختلاف اور برسرِ اقتدار طبقہ دونوں کو یہ بات لمحہ بھر کے لئے بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اُن کا مستقبل پاکستان کے مستقبل کے ساتھ وابستہ ہے اور ملک کے اندر جمہوری اقتدار کسی ایک گروہ یا جماعت کے اقتدار سے زیادہ اہم ہیں اگر کوئی جماعت اقدار کو ضعف پہنچائے گی تو اسی کو ملک کا خیر خواہ نہیں کہا جا سکتا ان اقدار کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے لئے برسرِ اقتدار جماعت اور حزبِ اختلاف دونوں کو اپنے اپنے رویے میں لچک پیدا کرنی ہوگی اور ایسے انتظامات کرنے ہوں گے کہ انتقالِ اقتدار کا عمل نہ تو بالکل ختم ہو کر رہ جائے اور نہ اس کے دوران میں کسی قسم کے تشدد کا اندیشہ باقی رہے تاکہ کسی مرحلے پر بھی قوم کی ترقی کی رفتار سست نہ پڑنے پائے“

ہمیں خوشی ہے کہ تحریکِ جمہوریت نے اس سلسلے میں مفاہمت کا دروازہ بالکل بند نہیں کیا ہے بلکہ مندرجہ ذیل کم سے کم شرائط پیش کی ہیں۔

- بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہِ راست انتخابات۔
- براہِ راست منتخب ہونے والی اسمبلیوں کے لئے مکمل اختیارات
- ہنگامی حالات کا خاتمہ۔
- تمام کالے قوانین کی تنسیخ۔
- شہری آزادیوں کی بحالی اور بنیادی حقوق کے سلسلے میں عدالتوں کو مکمل اختیارات۔
- تمام سیاسی نظر بندوں کی فوری رہائی اور ان کے خلاف مقدمات کی واپسی۔
- اخبارات پر پابندیوں کا خاتمہ۔
- دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کا خاتمہ
- مزدوروں کو ہڑتال کے حق کی بحالی۔

جہاں تک جمہوری اقدار کے تحفظ اور ملک میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کا تعلق ہے۔ برسرِ اقتدار جماعت بار بار اس بات کا اعلان کر چکی ہے کہ وہ ان کا اہتمام کرے گی جب حکومت ملک میں آزادانہ انتخاب کرانا چاہتی ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ کم از کم اس سال جو انتخابی تیاریوں کا سال ہے، ایسی فضا قائم کرے جس میں مختلف جماعتیں نہایت آسانی اور آزادی کے ساتھ اپنا اپنا نقطۂ نظر عوام کے سامنے پیش کر سکیں۔ اس کے لئے لازم ہوگا کہ جلسوں وغیرہ پر سے تمام پابندیاں ختم کر دی جائیں اور مکمل آزادیٔ اظہار کا حق

ہر ایک کو دیا جائے۔ دفعہ ۱۴۴ کی موجودگی میں اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ تمام جماعتوں اور تمام امیدواروں کو اپنا موقف بیان کر کے عوامی تائید و حمایت کے حصول کا موقع مل سکے گا۔ اسی طرح اخبارات پر سے تمام پابندیوں کا خاتمہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جب تک اخبارات کے صفحات تمام سیاسی جماعتوں کے کھلے نہ ہوں گے اور واقعات و حالات کی اشاعت بلا روک ٹوک نہیں ہو گی۔ اس وقت تک وہ

نوابزادہ نصر اللہ خاں

فضا پیدا ہی نہیں ہو سکتی جو آزادانہ انتخابات کے لئے ضروری ہے

شہری آزادیوں کی بحالی کا مسئلہ بھی مندرجہ بالا دونوں مسائل کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا۔ کہ شہری آزادیوں کی بحالی میں ہی مندرجہ بالا دونوں مسائل شامل ہیں۔ ایک آزاد اور خود مختار قوم کے شہریوں کو یہ آزادیاں حاصل ہونی چاہئیں اور خصوصاً ایک ایسے وقت میں جبکہ وہ قوم اپنے مستقبل کے بارے میں اہم فیصلے کرنے میں مصروف ہو۔ ان حقوق کی بحالی کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازم آتا ہے کہ اگر کسی شخص کی شہری آزادی سلب کی جائے تو اس کو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کا مکمل اختیار حاصل ہو۔

ان تمام باتوں کا ایک منطقی نتیجہ یہ بھی نکالا جا سکتا ہے کہ ہنگامی حالات کا وہ اعلان جس کے بعد یہ تمام حقوق معطل ہیں، واپس لے لیا جائے۔ جنگ کے خاتمے کے کئی برس بعد تک ہنگامی حالات جاری رکھنے کے فیصلے کو اس سے قبل بھی متعدد حلقوں کی جانب سے چیلنج کیا جاتا رہا ہے۔ اور اب بھی کیا جا رہا ہے۔ ہنگامی حالات کے سائے میں انتخاب منعقد کرانے کو ہمارے خیال میں خود حکومت بھی پسند نہیں کرتی۔ کیونکہ ان حالات میں انتخاب کرانا کوئی فخر کی بات نہیں کہلا سکتا۔

یہ وہ تمام امور ہیں جن سے ہمارے خیال میں خود برسرِ اقتدار جماعت کو بھی اتفاق ہونا چاہیئے۔ حزبِ اختلاف کی جانب سے یہ شرائط اگر پیش نہ بھی کی جائیں تو ہم حکومت سے یہی درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان امور کی طرف توجہ دے۔ لہٰذا توقع رکھنی چاہیئے کہ حکومت اس مسئلہ کو وقار کا مسئلہ نہیں بنائے گی اور مندرجہ بالا پابندیاں ختم کرنے کا فوری طور پر اعلان کر دے گی۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنا یہ وعدہ پورا نہیں کر سکتی کہ ملک میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات منعقد کرائے جائیں گے۔

اس کے بعد اپوزیشن کے ساتھ سیاسی تصفیہ کا مسئلہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس حقیقت سے شاید اربابِ اقتدار بھی انکار نہیں کر سکیں گے کہ انتخابات میں حزبِ اختلاف کی شراکت ملک میں جمہوری اقدار کی بقا و ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے جس ملک میں حزبِ اختلاف کسی وجہ سے انتخابات کا بائیکاٹ کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس ملک کے متعلق بین الاقوامی دنیا میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی جاتی۔ آج اربابِ اقتدار یہ کہہ سکتے ہیں کہ حزبِ اختلاف نے اپنی کمزوری پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے اور اپنے فرار کو بائیکاٹ کا نام دے رہی ہے لیکن بیرونی ممالک میں اس توجیہہ کو زیادہ وقعت کی نگاہوں سے نہیں دیکھا جائے گا۔ ویسے بھی جن اسمبلیوں میں سو فیصد حزبِ اقتدار کے نمائندے ہوں گے۔ اور حزبِ اختلاف کا وجود ہی نہ ہو گا ان کے بارے میں دنیا کیا رائے قائم کرے گی۔ اور وہ قانون سازی کا کس طرح بطریقِ احسن انجام دیں گی۔ ان تمام باتوں کو یقیناً برسرِ اقتدار حضرات بھی محسوس کرتے ہوں گے اور ہمیں یقین ہے کہ وہ اس صورتِ حال کو اپنے اقتدار کی مدت میں توسیع کا زریں موقع سمجھ کر نظر انداز کرنے کی بجائے ملک میں جمہوری اقدار کے فروغ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

ان حالات میں حکومت کو یقیناً کوئی نہ کوئی ایسا فارمولا مرتب کرنا چاہیئے جو حزبِ اختلاف کے لئے قابلِ قبول ہو۔ ان میں بالغ

حکومت حزبِ اختلاف کے
رہنماؤں کو بات چیت کی
دعوت دے کر ایک
جمہوری روایت قائم کرسکتی ہے

رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات کا مسئلہ اہم ترین ہے کیو
جہاں تک اسمبلیوں کو زیادہ اختیارات دینے کا سوال ہے
کی ضرورت اور اہمیت سے تو خود موجودہ حکمران بھی انکار نہیں ک

موجودہ حکومت کا موقف ہے کہ موجودہ طریقِ انتخا
بھی وہی نتائج پیدا کرتا ہے جو براہِ راست انتخابات کرنے
اور موجودہ طریق انتخاب اور براہِ راست انتخابات میں کو
فرق نہیں ہے۔ اگر اس موقف کو درست تسلیم کر لیا جائے تو
حکومت کو انتخابات میں حزبِ اختلاف کی شرکت حاصل کر
کے لئے براہِ راست انتخابات کے اصول کو تسلیم کرنے میں ک
جھجک محسوس نہیں کرنی چاہیئے۔ اس طرح پاکستان مسلم
اپنے اس دعوے کو درست ثابت کر سکے گی کہ وہ واقعی
میں مقبول ہے اور پاکستان کے عوام کی اکثریت موجودہ حک
کی حامی ہے۔

اس مرحلے پر ہم حزبِ اختلاف اور اربابِ اقت
دونوں سے یہی اپیل کریں گے کہ وہ آپس میں مفاہمت کی
راہ نکالیں۔ حکومت سے ہماری درخواست ہے کہ وہ ا
کے لئے سازگار فضا پیدا کرے اور مخالف جماعتوں سے
ہے کہ وہ ملک کو مظاہروں اور ایجی ٹیشن کی نذر کرنے کی
انتخابات میں شرکت کریں۔

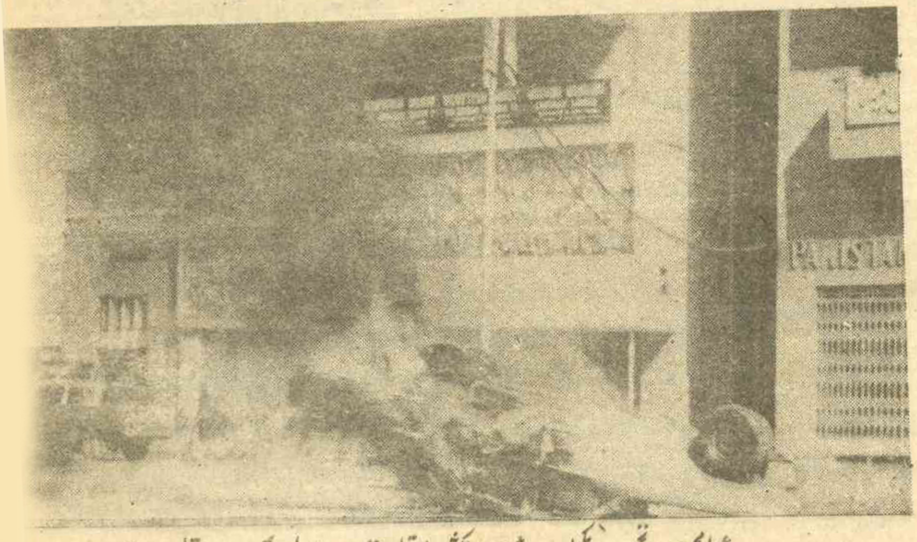

عوامی تحریکوں میں اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے

فحش کتابیں اور جنسی جرائم

ڈنمارک میں فحش نگاری کو قانونی قرار دے کر

ایک اہم سماجی مسئلہ حل کرنے کا انوکھا تجربہ

ڈنمارک دنیا کا پہلا اور واحد ملک ہے جس نے فحش جنسی کتابوں۔ اور رسالوں کی اشاعت پر تمام پابندیاں ختم کر دی ہیں۔ پابندیاں ختم ہونے کے ایک برس بعد جب جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ ملک بھر میں جنسی جرائم میں ۲۵ فیصد کمی ہو چکی ہے۔ صرف یہی نہیں، ایسی کتابوں کی اشاعت پر پابندی کے خاتمے کا ایک اور مثبت نتیجہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی فحش کتابوں کی فروخت پہلے کے مقابلے میں صرف دس فیصد رہ گئی ہے۔ گویا فحش لٹریچر خریدنے والوں میں نوّے فیصد کمی ہو گئی ہے۔

کیا ڈنمارک نے فحش لٹریچر پر سے پابندی ہٹا کر دنیا کو جنسی جرائم کی روک تھام کے لئے ایک نئی اور کامیاب راہ دکھائی ہے اور بتایا ہے کہ معاشرے میں جنس کے بارے میں صحت مند رویّہ کس طرح پیدا کیا ہے یا اس نے ایک ایسی بدعت کا آغاز کیا ہے جس سے اس کے معاشرے میں اخلاقی اقدار ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جائیں گی۔ یہ سوال آجکل ساری دنیا میں دریافت کیا جا رہا ہے۔ ذیل میں ہم اس سلسلے میں صرف حقائق اور اس سلسلے میں چند مغربی ماہرین نفسیات و عمرانیات کی آراء بلا تبصرہ نذر قارئین کر رہے ہیں۔

ڈنمارک نے ۱۹۶۶ء کے اواخر میں فحش لٹریچر کی اشاعت پر تمام پابندیاں ختم کر دی ہیں۔ اس کے علاوہ فحش تصاویر کی اشاعت اور فروخت قانوناً ممنوع ہونے کی بجائے کھلے بندوں ہوتی ہے اور حکومت کے احکام کے تحت پولیس ایسی عریاں تصاویر فروخت کرنے والوں کے خلاف کوئی قانونی اقدام نہیں کرتی۔ آپ کہیں چلے جائیے آپ کو عریاں تصاویر کاؤنٹروں پر بھی رکھی نظر آئیں گی۔ ان میں برہنہ تصاویر سے لے کر جنسی کجروی کے مظاہروں کی ہیجان انگیز تصاویر تک ہر قسم کی تصاویر شامل ہوتی ہیں اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوتی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق سالانہ دو کروڑ ساٹھ لاکھ جنسی کتابیں اور تصاویر فروخت ہوتی ہیں۔

۱۹۶۶ء اور ۱۹۶۷ء کی درمیانی مدت کا جس وقت جائزہ لیا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ اس سال کے دوران جنسی جرائم میں ۲۵ فیصد کمی ہو گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی خصوصی طور پر قابل ذکر ہے کہ جنسی لٹریچر کی فروخت میں نوّے فیصد کمی ہو گئی ہے۔ پہلے جو کتاب سال میں بیس بائیس ہزار کی تعداد میں بکتی تھی۔ اب سال بھر میں اس کی مشکل سے دو تین ہزار کاپیاں فروخت ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس تصویریں کیونکہ ابھی تک غیر قانونی شمار کی جاتی ہیں لہٰذا ان کی اشاعت بدستور کروڑوں میں ہے۔ ڈنمارک کے ماہرین عمرانیات کا خیال ہے کہ جس وقت حکومت کی جانب سے عریاں تصاویر پر موجودہ برائے نام پابندی بھی ختم ہو جائے گی اس وقت شاید تصاویر کی فروخت میں بھی اسی تیزی سے کمی آ جائے گی۔ ایک ماہر نے اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کتابوں کے ساتھ بھی وہی ہوا ہے جو جنگ کے بعد شراب کے ساتھ ہوا تھا۔ جنگ کے دوران شراب راشن کے ذریعے ملتی تھی کہ اس کی کھپت زیادہ تھی۔ جنگ کے بعد راشن بندی ختم ہوئی تو شراب کی کھپت بھی کم ہو گئی۔ یہ انسانی ذہن کا خاصہ ہے کہ جس چیز کو اپنے لئے ممنوع سمجھتا ہے اس کی طرف بے ساختہ لپکتا ہے۔

ڈنمارک میں عریاں تصاویر

کی فروخت ساری دنیا

سے زیادہ ہے!

کیا ڈنمارک کا یہ تجربہ

اُس کی آئندہ نسلوں کی

اخلاقی موت ثابت ہوگا؟

فحش لٹریچر پر سے پابندی ہٹانے سے قبل ڈنمارک میں عمرانیات اور نفسیات کے ماہروں نے اس مسئلے پر باقاعدہ تحقیق کر کے ایک رپورٹ مرتب کی انہوں نے اپنی رپورٹ میں رائے ظاہر کی تھی کہ ہزاروں افراد سے ملاقات کے بعد وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ فحش لٹریچر کے مطالعے سے کسی شخص پر کسی غلط قسم کا اثر نہیں پڑا۔ جنسی جرائم کا ارتکاب کرنے والوں میں ہمیں کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس نے اس قسم کے لٹریچر سے متاثر ہو کر وہ جرم سرزد کیا ہو اسی طرح مختلف لوگوں سے ملاقاتوں کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان کتابوں کے مطالعے سے عام افراد کے جنسی رویے میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی اور لوگ اس قسم کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے باوجود بالکل نارمل جنسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ البتہ کمیٹی نے اس خدشے کا اظہار ضرور کیا تھا کہ اس قسم کی کتابوں کے مطالعے سے بعض ایسے لوگوں میں غیر ذمہ داری اور اذیت پسندی کا رجحان بڑھ سکتا ہے جن میں اس قسم کا میلان پہلے سے موجود ہو۔ البتہ اس بات کا امکان بھی اس قدر کم ہے کہ اس کو نہ ہونے کے برابر شمار کیا جانا چاہیئے۔

پابندی کے خاتمے کے صرف

ایک برس کے اندر اندر جنسی

جرائم میں ۲۵ فی صد اور

فحش کتابوں کی فروخت

میں ۹۰ فیصد کمی ہو چکی ہے

کمیٹی کی رپورٹ پر پارلیمنٹ نے فحش جنسی لٹریچر کی اشاعت پر پابندی ختم کر دی اور اس کو قانونی قرار دے دیا۔ لیکن یہ کمیٹی اور بعض نجی ماہرین بدستور صورت حال کا

باقی صفحہ ۴۰ پر

سہیل اختر

نہیں یہ نکہتِ گل موجۂ شرار سے کم
ہو کیسے دِل کی جلن آمدِ بہار سے کم
جہاں ہیں آج خرد کی یہ گرم بازاری
بہت سہی پہ محبّت کے کاروبار سے کم
ہر ایک لمحہ بدلتا ہے نِت نئے تیور
مزاجِ دہر نہیں کچھ مزاجِ یار سے کم
کوئی چراغِ تمنّا نہ کوئی یاد کا پھول
یہ دل نہیں کسی اُجڑے مزار سے کم

نجوم و مہ کے نگر ہیں یہ کہکشاں ائے دوست
بہت حسیں ہے مگر ترِی رھگذار سے کم

گلزار حسین گلزار

زندگی پیار کے پھولوں سے سجادی جائے
چلے آؤ کہ بہاروں کو صدا دی جائے
کس کے ہاتھوں ہیں نہیں سنگِ ملاحت یارو
اِک زباں سے یہاں کس کس کو دعا دی جائے
مجرمِ شوق ہوں اس بات سے انکار ہے کیا!
سرِ تسلیم ہے خم جو بھی سزا دی جائے
پھر یہ کہنا کہ نہیں طالبِ دیدار کوئی
اِک جھلک پہلے سرِ طور دکھادی جائے
اور کچھ تیز کرو گردشِ ساغر گلزارؔ
وقت کی راہ میں دیوار اٹھا دِی جائے

غافل کرنالی

نہ ہو جب تک ہر اک غم کی تلافی
خرد کو مل نہیں سکتی معافی!
مبارک تم کو دُنیا بھر کی دولت
فقیروں کو خدا کا نام کافی!
قلم کی آبرو رہتی ہے قائم
اگر حق کا مبلّغ ہو صحافی
وہی آئینِ ملّت ہے کہ جس میں
کوئی شِق ہو نہ قرآں کے منافی
ابھی تک یاد ہے ہر خار و گُل کو
بہارِ باغ کی وعدہ خلافی
علاجِ اس قوم کا آساں ہے لیکن
وہ لائیں تو کہیں سے آبِ شافی
عجب عالم ہے اُن کی انجمن کا
اصولی بات بھی ہے اختلافی
یہ کوئی بحث کا عنواں نہیں ہے
کہ آنکھیں کیوں ہیں اس بُت کی غلافی
ہے دِل میں اِک سرورِ عشق غافلؔ
مرے ساغر میں ہے صہبائے صافی

مذہب

حضرت خواجہ غلام فرید

"سنتِ رسولؐ کی پیروی آپ کا نصب العین تھا!"

تحریر: طارق فاروق

حضرت خواجہ غلام فرید ۱۲۶۱ھ میں حضرت محبوب الٰہی خواجہ خدا بخش کے گھر پیدا ہوئے تاریخی نام "خورشید عالم" تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے سارے عالم میں خورشید بن کر چمکے۔ حضرت خواجہ وہ عظیم بزرگ تھے جن کے عقیدت مندوں میں علامہ اقبال مرحوم اور سر عبدالقادر جیسی بلند مرتبت اور اعلیٰ پایے کی ہستیاں ہیں۔ ان کی شاعری کے بارے میں علامہ مرحوم کا خیال تھا کہ اس میں بین الاقوامی حیثیت و اہمیت کے عناصر نظر آتے ہیں۔

بچپن

حضرت خواجہ کے بچپن میں ہی عظمت و بزرگی کے نقوش پائے جاتے تھے۔ انہی خصائص کو دیکھ کر حضرت محمد اشرف صاحب سندھی نے فرمایا تھا کہ "یہ لڑکا ولی مادرزاد ہے" آپ نے آٹھ سال کی عمر میں ہی قرآن حکیم حفظ کر لیا اور دینی علوم اور طب کی طرف متوجہ ہوئے اور جلد ہی ان میں بھی مکمل دسترس حاصل کر لی آپ نے مطالعہ کتب کے ساتھ ساتھ وظائف کے سلسلہ کی بھی ابتدا کر دی۔

آٹھ سال کی عمر میں آپ اپنے والد مکرم حضرت محبوب الٰہی خواجہ خدا بخش رحمتہ اللہ علیہ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے اس کے بعد آپ کے بڑے بھائی حضرت خواجہ فخر جہاںؒ نے آپ کو زیرِ نگرانی لے لیا۔ وہی ظاہری و باطنی علوم میں آپ کے مرشد تھے۔ آپ نے کئی اشعار میں ان سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً۔

کتھے حسن حسین شہید بنے
کتھے مرشد فخر جہاں آیا

جب آپ ستائیس برس کے ہوئے تو حضرت خواجہ فخر جہاںؒ رحلت فرما گئے اور آپ کو قطبیت عظمیٰ کے گراں بار بوجھ اٹھانے کا شرف حاصل ہوا۔ لاکھوں عقیدت مندوں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

علوم و فنون سے شغف

آپ کی مجلس میں علماء و طلباء کا ہمیشہ ہجوم رہتا اور دن رات علم و فضل کے جوہر بکھیرے جاتے حضرت خواجہؒ جفر، رمل اور نجوم کے علوم سے بھی بخوبی واقف تھے اور علم موسیقی اور نغمہ پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ ہمارے ہاں موسیقی کے چھ اصول ہیں۔ بھیروں سری میگھ ہنڈول مالکونس اور دیپک باقی سب راگنیاں انہی سے نکلتی ہیں شاعری اور عروض پر بہت عبور تھا۔ آپ نے ملتانی زبان میں نئے نئے اوزان اور بحور ایجاد فرمائیں۔ سندھی اور ہندی بحور و اوزان کو بھی آپ نے نہایت خوش اسلوبی سے اپنایا۔

سات زبانوں پر قدرت

بقول حضرت مولانا طالوت مدظلہ "حضرت خواجہؒ ملتانی اردو اور فارسی میں تو صاحب دیوان تھے۔ جن میں آپ نے غیر معمولی قدرت زبان کا ثبوت دیا۔ عربی میں اگرچہ آپ نے اشعار نہیں کہے (یا ممکن ہے وہ اشعار ہم تک نہ پہنچ سکے ہوں)، لیکن عربی کے آپ علامہ وقت تھے۔"

اگر آپ کے دیوان کو بغور دیکھا جائے تو اس میں ہندی سندھی اور پوربی زبان میں لکھی ہوئی کافیاں بھی ملتی ہیں —— مقابیس المجالس کے مطابق آپ انگریزی بھی جانتے تھے چنانچہ آپ کو ہفت زبان کہنا بالکل بجا ہے۔

اخلاق

حضرت مولانا طالوت مدظلہ "مقدمہ دیوان فریدؒ" میں رقم طراز ہیں۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا تھا تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ آپ کا اخلاق قرآن پاک کے تابع تھا اسی کے مطابق "اگر مجھ سے حضرت خواجہ فریدؒ کے اخلاق کے متعلق پوچھا جائے تو میں اس کا بھی یہی جواب دے سکتا ہوں کہ سنت کی پیروی آپ کا اخلاق تھا۔"

مجھے عمر بھر حسرت رہی
کہ کوئی سائل مجھ سے
ایک لاکھ روپے کا سوال کرے

سخاوت و فیاضی

بچپن سے لے کر آپ کے وصال تک کوئی سوالی آپ کے آستاں سے خالی ہاتھ نہیں گیا۔ مشہور روایت ہے:-

" کہ آپ نے اپنی عمر میں ساٹھ لاکھ کے قریب روپیہ خرچ کیا۔ یہ مقدار صرف اسی خرچ کی ہے کہ جو احاطۂ تحریر میں آیا۔ جو نہیں آیا وہ اس کے کچھ علاوہ ہے۔ آپ نے وصال کے وقت نہایت حسرت سے کہا —— عمر بھر حسرت رہی کہ مجھ سے کوئی سائل لاکھ روپیہ مانگے اور میں دوں۔ مگر کسی نے استدعا نہیں کی۔"

وفات

مولوی رکن الدین فرماتے ہیں :-

"حضرت فریدؒ بوقت سحر شب چہارشنبہ ۶ ربیع الثا ۱۳۱۹ھ پلنگ پر سوئے ہوئے تھے۔ دایاں ہاتھ سینے پر تھا۔ کمال استغراق کی حالت تھی اور شغل اسم ذات مصروف تھے۔ ضربات پے در پے جاری تھیں۔ اس حالت سرعت تنفس کا احساس کر کے حاضرین اور رکن الدین بھی تھے۔ صبح کی نماز کے وقت دلاور خاں خادم خاص نے دوائی پینے کے لئے عرض کیا۔ آپ نے اس کی طرف اشا فرمایا۔ اس نے دوائی پلائی۔ اشراق کے وقت برکت عل ربابی نے کچھ شعر پڑھنے کی اجازت چاہی تو اس وقت آپ نے انکار فرمایا۔ پھر عرض کیا اور پھر منع فرمایا۔ ضعف کمال تھا جو بہت جلد بڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ دوپہر کے وقت مایوسی ک آثار پیدا ہو گئے اور مغرب کے وقت رحلت ہوئی۔"

وفات سے کچھ دیر پہلے ہر دم انہیں یہی کہتے سنا گیا۔

گزر گیا ویلا ہسن کھیلن دا — آیا وقت فرید چلن دا
اوکھا پینڈا دوست ملن دا — جان لباں تے آندی ہے!

(گوہر شب چراغ)

(ترجمہ) اب ہنسنے کھیلنے کا وقت گزر چکا ہے اے فر اب تو چلنے کا وقت ہے محبوب سے ملنے کی راہ بہت کٹھن ہے جان میرے لبوں پر آ رہی ہے۔

آخر ۲۲ر جولائی ۱۹۰۱ء مطابق ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ کو بروز چہارشنبہ آپ نے اس فانی دنیا سے کوچ فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سائنس

محمد علی چراغ

نیند کے بارے میں جدید سائنسی تحقیق

ہم اپنی زندگی کا ایک تہائی حصہ بے خبری کے عالم میں بسر کرتے ہیں

ایک بار سونے سے دو بار سونا بہتر ہے

نیند میں کمی کے باعث اعصابی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں

ہم میں سے اکثر اپنی زندگی کا ایک تہائی حصہ سو کر گزار دیتے ہیں لیکن پھر بھی نیند کے بارے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ بیئے بھلا آپ بتا سکتے ہیں کہ ہم سردیوں میں زیادہ سوتے ہیں یا گرمیوں میں؟ ہم گرمیوں کی ہر شب سردیوں کے مقابلے میں قریباً ۴/۱ گھنٹہ کم سوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں زیادہ تر اعصابی بیماریاں گرمیوں ہی میں پیدا ہوتی ہیں ایک تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ آٹھ گھنٹے روزانہ سونے والا جس رات چھ گھنٹے سوتا ہے۔ اگلے دن اسے معمول کے کام کرنے کے لئے پچیس فی صد زیادہ محنت اور حرارت کی ضرورت ہوتی ہے۔

کبھی ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ آرام کرنے سے پہلے کافی کی ایک پیالی جلدی سونے میں معاون ہوتی ہے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ کافی پینے سے تو نیند دیر تک نہیں آتی۔

بہت سے لوگ اس لئے جلد نہیں سوتے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ابھی انہیں نیند نہیں آئے گی۔ کچھ ڈاکٹروں اور ماہرین کا خیال ہے کہ سونے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہونا بہت ہی ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ہی بعض ماہرین کے نزدیک شام کی چہل قدمی اور ہلکی سی جسمانی ورزش نیند کے لئے زیادہ مددگار ثابت ہوتی ہے۔

بہرحال بے خوابی ایک نقصان دہ بیماری ہے جانوروں کی زیادہ تر اموات کام کی زیادتی اور بہت کم سونے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ ایک جوان آدمی جسے بہت زیادہ جاگنے پر مجبور تھا اسے ایک میڈیکل لیبارٹری میں دو سو اکتیس گھنٹوں تک سونے نہ دیا۔ لیکن اس نوجوان کے اس ریاض نے اسے چڑچڑا بنا دیا۔ نسیان کی بیماری پیدا کر دی اور جذباتی بھی بنا دیا۔

پہلے تین گھنٹے میں بہت اچھی نیند آتی ہے

ماہرین نے جدید تجربات کے بعد بتایا ہے کہ پہلے تین گھنٹوں کی نیند بڑی ہی آرام دہ اور اچھی ہوتی ہے اس نیند میں زیادہ سے زیادہ تھکان دور ہوتی ہے اور جسم کے اعضا کو مکمل آرام میسر آتا ہے اسی نظریے کے تحت ایک فرانسیسی سکول ماسٹر نے کہا ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ وہ دن رات میں دو بار تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد سوئے۔ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ تین چار گھنٹے سونے کے بعد چند گھنٹے کام کر لیا جائے اور پھر تین چار گھنٹے سو لیا جائے تو اس طرح ایک ہی دفعہ آٹھ گھنٹے سونے سے کہیں زیادہ آرام میسر آتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ تجربہ اس کا اپنا آزمایا ہوا ہے۔

بلغاریہ کے دیہی علاقوں میں وہاں کے کسان کئی صدیوں سے سرما میں شام ۴ بجے کے قریب سونے کے لئے بستر میں چلے جاتے ہیں اور گرمی کے دنوں میں سات بجے۔ قریباً ۴ گھنٹے سونے کے بعد کھانے پینے کے لئے اٹھتے ہیں اور پھر شام تک نہ سوتے ہیں۔ گو ان کا سونے کا یہ رواج کوئی خاص نہ سہی لیکن بلغاریہ کے جتنے لوگوں نے سو سو برس کی عمر پائی ہے دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں پائی ہے۔

جہاں تک بے خوابی کے مرض کا تعلق ہے عموماً جوان اور صحت مند انسان اس کا شکار نہیں ہوتے لیکن بڑھاپا بڑھنے کے ساتھ ساتھ لوگ بے خوابی کی شکایت کرنے لگتے ہیں۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ نوجوان اور صحت مند لوگ بھی بے خوابی کی شکایت کرتے ہیں۔ صحت مند اور نوجوان طبقے کی بے خوابی کا سب سے بڑا سبب نیند سے ان کی لاعلمی ہے کیونکہ وہ تو جانتے ہی نہیں کہ نیند کس طرح آ سکتی ہے۔

گہری نیند۔ ویسے گہری نیند ایک عظیم نعمت ہے گہری نیند کے لئے متوازن اعصابی نظام ضروری ہے اور متوازن اعصابی نظام روزانہ کے کام کاج اور آرام کی باقاعدگی

چاند کی طرف بڑھتے ہوئے انسان نے پلٹ کر دیکھا تو زمین چاند کی طرح تھی

سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ گہری نیند کے لئے ضروری ہے کہ ہر شب مقررہ وقت پر سو یا جائے۔ چاہے مقررہ وقت گیارہ بجے ہو چاہے آدھی رات۔ گہری نیند کے لئے بھی باقاعدگی لازمی ہے یہ نہیں کہ رنگ رلیوں میں ایک رات نیند کے لئے وقت بدل بھی لیں۔

نیند ہی کے اوقات میں غیر متوقع بیداری سے بھی کئی حضرات پھر نہیں سو سکتے۔ روسی ماہرین نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ اس طرح کی کمزور نیند والوں کو چاہیئے کہ جب وہ بے موقع بیدار ہوں تو پھر وہ ایک بار مکمل طور پر اپنے آپ کو اوڑھے ہوئے لحاف یا دوسرے کپڑوں سے باہر کر لیں اور پھر چند منٹوں کے بعد کپڑا اوڑھ لیں اس طرح انہیں پھر جلد ہی نیند آ جائے گی۔ بصورت دیگر باقاعدہ اور لمبے لمبے سانس لیں کیونکہ لمبے اور گہرے سانس لینے سے نسوں کے خلیات کو آرام پہنچتا ہے۔ اگر پھر بھی دوبارہ نیند نہ آئے تو کسی اچھے سے خیال پر سوچنا شروع کر دیں، شاید اس طرح نیند آ جائے۔

دن بھر کی بیداری اور کام کرنے کی وجہ سے دن کے آخری نصف حصے میں انسانی اعضاء کی کام کرنے کی قوت کم ہو جاتی ہے۔ اس سے ذہن کے خلیوں پر بھی اثر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دن کے بعد زیادہ وقت رات تک آدمی کام نہیں کر سکتا۔

اگر آپ چاہیں کہ آپ جلد سو جائیں تو اس سلسلے میں سونے سے پہلے آپ کسی بحث میں حصہ نہ لیں۔ کسی سنجیدہ پہلو پر سوچیں بھی نہ اور کوئی زیادہ محنت طلب کام بھی نہ کریں۔ حیرانی اس بات کی ہے کہ میرے ایک عزیز دوست جب بھی غمگین، افسردہ یا کسی الجھن میں مبتلا ہوتے ہیں تو انہیں فوراً نیند آجاتی ہے۔ دن ہو یا رات، صوفے پر بیٹھے ہوں یا کرسی پر، سفر کر رہے ہوں یا باتوں میں مصروف ہوں۔

آج کل کچھ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ٹیلی ویژن کی لیٹ نائٹ فلمیں دیکھنے سے، سینما پکچرز یا ڈانس کلبوں میں جانے سے اعصابی نظام کو آرام میسر آتا ہے۔ یہ بالکل غلط خیال ہے بلکہ اس طرح ذہنی تناؤ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اگر سونے سے ایک آدھ گھنٹہ پہلے، ٹیلی ویژن کے ہلکے پھلکے پروگرام موسیقی یا مزاحیہ خاکے دیکھ لئے جائیں تو جلد نیند آ سکتی ہے

آج بھی کئی لوگوں کا خیال ہے کہ اگر جاگنا مقصود ہو تو رات کو بیٹھ کر لکھنا چاہیئے اور اگر سونا مقصود ہو تو پڑھنا چاہیئے۔ لیکن ماہرین کے نزدیک یہ باتیں بیکاری کی باتیں ہیں۔ شاید چند صفحے پڑھنے کے بعد کچھ لوگوں کو نیند آجاتی ہو لیکن اگر کہانی پلاٹ یا کسی مضمون کو ختم کرنے کی ضد ہو تو یہ نیند کے ساتھ مقابلہ کرنا ہو گا۔ نیند کے ساتھ مقابلہ دماغ کے خلیات کو مدھم کرتا ہے اور ان کے آرام میں مخل ہوتا ہے بستر میں لیٹ کر کورس کی کتابیں پڑھنا ٹھیک نہیں کیونکہ لیٹ کر پڑھنا کوئی زیادہ یاد نہیں رہتا، ادھر دماغ کے خلیات تو ایک ایک کر کے سو رہے ہوتے ہیں۔ اور ادھر کورس کی پڑھائی کا خدشہ سوار ہوتا ہے۔ اگر کورس کی کتابیں پڑھنے کے لئے دن کے وقت موقع نہ ملے تو رات کو بستر میں لیٹ کر نہ پڑھیں، بلکہ میز کرسی پر بیٹھ کر پڑھیں تو اچھا ہے کیونکہ ہمارے جسم کے مختلف اعضاء اس بات کے عادی ہو چکے ہیں کہ لیٹنے کی حالت تو سونے ہی کی حالت ہے۔

اگر آپ ہر دوپہر تھوڑا بہت سونے کے عادی ہیں تو اس عادت کو جاری رکھیں۔ کئی حضرات کا خیال ہے کہ دن میں سونے سے رات گئے تک نیند نہیں آتی۔ ایسا تو ہرگز نہیں ہے بلکہ دن کے وقت سونے سے جسم کی نسیں رات جلد سونے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔

چاہے آپ کو آدھا گھنٹہ ہی سونا مقصود ہو تو بھی آپ اپنے جسم کو پوری نیند کی طرح تیار کر کے سوئیں۔ تنگ اور چلنے پھرنے کے کپڑے بدل لیں۔ گہری نیند کے لئے خاموشی اور اندھیرا ہونا کوئی ضروری نہیں۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ گہری نیند سونے کے لئے اگر تازہ ہوا میں ذرا سیر کر لی جائے تو بہتر ہے کیونکہ سونے سے پہلے تازہ ہوا میں سیر دماغ کے خلیات کو تفکرات سے آزاد کراتی ہے۔ گہری نیند کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ سونے سے دو گھنٹے پہلے ہلکا کھانا کھایا جائے، کافی چائے ہلکی ہی پی جائے۔ خواب آور گولیاں اور دوسری دوائیں کبھی استعمال نہ کریں۔ اگر خاص وجوہ کی بنا پر کوئی ڈاکٹر تجویز کر تو پھر استعمال کرنے میں کوئی ہرج نہیں

سونے کیلئے آپ جس کروٹ اور جس پہلو آرام محسوس کر سو جائیں یہ کوئی پابندی نہیں ہے۔ لیکن لمبائی کے بل سونا بہتر گنا جاتا ہے۔ اپنے کمرے کی ایک آدھ کھڑکی کو تھوڑا بہت ہر موسم میں کھلا رہنے دیں تا کہ تازہ ہوا کا گزر ہوتا رہے زبردستی جاگنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ اس سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

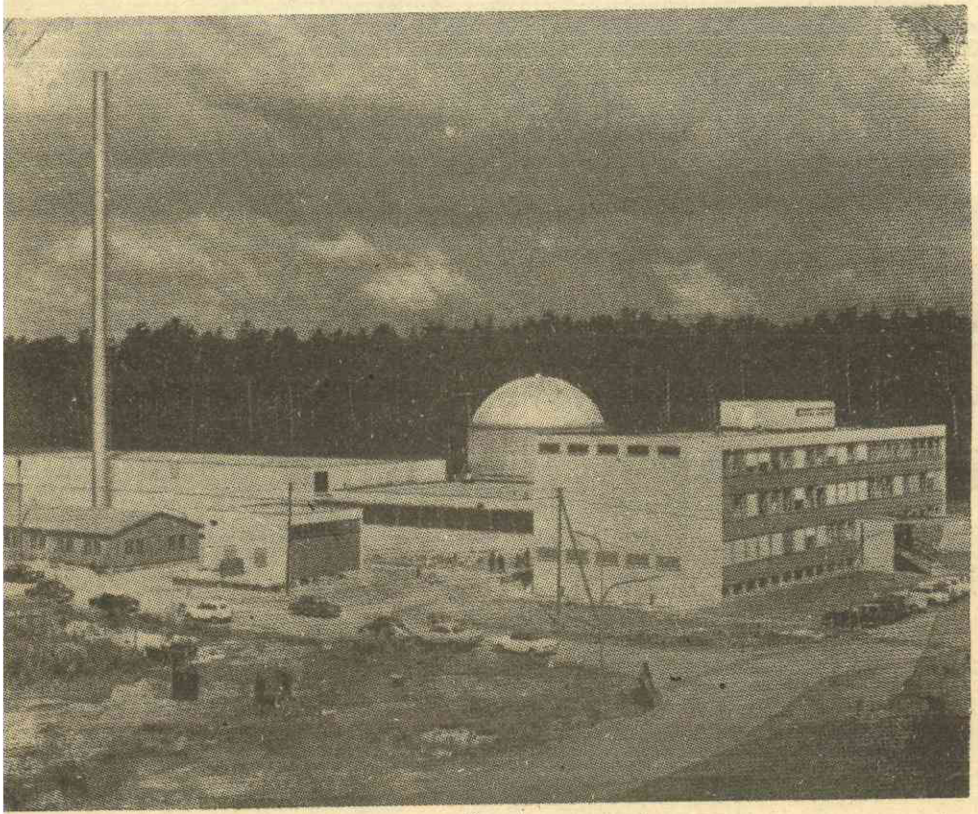

مغربی جرمنی میں ایٹمی تحقیقات کا ایک مرکز

ایک نہایت فربہ اندام خاتون نے ایک لڑکے سے پوچھا کیا میں اس دروازے سے دریا پار جا سکتا ہوں۔ لڑکے نے جواب دیا، ممکن تو ہے کیونکہ ابھی ایک بڑا چھکڑا اسی دروازے سے گزر چکا ہے۔

♣ ♣ ♣

بچہ [illegible] ٹیلی فون پر) آج میرا لڑکا بیمار ہے وہ [illegible] نہیں آ سکتا

ماسٹر۔ (آواز نہ پہچان کر) اور یہ ٹیلی فون پر کون بول رہا ہے،

بچہ (گھبرا کر) ماسٹر صاحب ٹیلی فون پر میرے باپ بول رہے ہیں۔

طنز و مزاح

کرشن چندر

بیچلر آف آرٹس

کتنا پیارا نام ہے، معلوم ہوتا ہے کھانے کی کوئی مزیدار چیز ہے

بیچلر آف آرٹس کتنا شاندار نام ہے سنتے ہی منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ کسی انگریزی مٹھائی کا نام معلوم ہوتا ہے یا کوئی اعلیٰ اعزازی خطاب "رائے صاحب" اور "خان صاحب" تو اس کے سامنے بالکل بے جان اور ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔ بیچلر آف آرٹس انہیں ادا کرتے وقت زبان بھی چٹخارے لیتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کتنے شاندار الفاظ ہیں ہیبت اور جلال سے معمور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ـــ کسی عظیم الشان عمارت کا نام ہے۔ ایسی عمارت جو تاج محل کی طرح خوب صورت ہے اور قطب صاحب کی لاٹ کی طرح مضبوط اور بلند!

لیکن دراصل بیچلر آف آرٹس نہ تو کوئی انگریزی مٹھائی ہے نہ ہی کوئی اعزازی خطاب یا کوئی خوب صورت عمارت بلکہ یہ تو ایک غریب یتیم سی ڈگری کا پورا انگریزی نام ہے جسے عرف عام میں "بی اے" کہتے ہیں۔ شاید آپ میری بات ماننے سے انکار کریں اور غصہ میں آکر کہیں، اجی صاحب یہ آپ کیا کہتے ہیں۔ کہاں بیچلر آف آرٹس جیسا حسین و قبول صورت نام کہاں بیچارا غریب بی۔ اے۔ ان دونوں میں کیا خاک مطابقت ہو سکتی ہے کہاں راجہ بھوج کہاں گنگو تیلی۔ اونہہ

لیکن یہ ہے درست! بیچلر آف آرٹس ہی بی اے کا پورا نام ہے۔ اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ کیا آپ اپنے گھر کے بہشتی فیض احمد خان کو "پھجا" کہہ کر نہیں پکارتے۔ دفتر کے چپراسی منگل سنگھ کو "منگلو" اور چندر درشن کو "چندرو" پھر اگر زمانے کے چکر سے بیچلر آف آرٹس سمٹ کر اور سکڑ کر صرف بی اے رہ جائے تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ غربت میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے ـــــ!

لیکن ایک زمانہ تھا کہ جب بی اے کی معنوی حالت ایسی نہ تھی۔ جیسی اب ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ابھی ہم میں سے بہت سے نوجوان پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ اور مرحوم شاہ جارج پنجم کی بھی دہلی میں تاج پوشی بھی نہ ہوئی تھی تو ان دنوں سنتا ہے کہ بی اے کی ڈگری کا بہت رعب تھا۔ ہمارے محلے میں ایک بوڑھے ڈپٹی صاحب رہتے ہیں۔ بڑے بھلے مانس ہیں۔ متین صورت، سفید ریش اور آنریری مجسٹریٹ۔ ایک دن باتوں ہی باتوں میں مجھ سے کہنے لگے۔ میاں صاحبزادے میں دیکھتا ہوں تم آج کل اداس سے رہتے ہو اور اکثر آوارہ پھرتے رہتے ہو۔ لیکن جب ہم تمہاری عمر کے تھے۔ تو بی اے پاس کرکے فوراً تحصیلدار بن گئے تھے۔ ان دنوں ہمارے پتا جی گلیوں میں "آلو چھولے گرما گرم" بیچا کرتے تھے انہوں نے ہمیں اپنا اور گاہکوں کا پیٹ کاٹ کر پڑھایا اور ایک تم ہو کہ بی اے ملازمت ابھی تک کہیں ملی نہیں اور ہر وقت ہیٹ بوٹ سوٹ ڈانٹے رکھتے ہو۔ اس طرح پندرہ بیس منٹ وہ لمبا چوڑا وعظ سناتے رہے اور جب چپ ہوئے تو میں نے نہایت نرمی سے اور برخوردارانہ انداز میں سر جھکا کر کہا حضور آپ نے کس سن میں بی اے پاس کیا تھا۔

ڈپٹی صاحب نے آنکھیں بند کر اور حافظے پر زور دے کر کوئی سال بتایا۔ وہ سن اب مجھے ٹھیک طرح یاد نہیں اٹھارہ سو کیا! لیکن بہر حال وہ سن قبل از مسیح نہیں تھا۔ اور اس طرح کی رومانی داستانیں غالباً آپ نے بھی سنی ہوں گی ایک انگریز کا بیٹا جو بی اے کرنے کے بعد وظیفہ پر ولایت بھیج دیا گیا۔ اور وہاں سے واپس آتے ہی فوراً چیف انجینئر بن گیا۔ ایک پٹواری کا صاحبزادہ جو ایک دن اپنے باپ کا حاکم بنا اور جسے انجام کار اپنے باپ ہی کو رشوت ستانی کے الزام میں ملازمت سے برطرف کرنا پڑا۔ ایک غریب تیلن کا بچہ جو بی اے پاس کرنے کے بعد آئی سی ایس بنا اور جس کے ڈرائنگ روم میں آج بھی ایک چھوٹا سا چاندی کا کولھو بطور یادگار مینٹل پیس پر رکھا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک گنڈیری بیچنے والے کا لڑکا ایک خانساماں کا نواسا... وغیرہ وغیرہ پرانے زمانے کی عجیب و غریب حکایتیں دلچسپ شیریں اور پر کیف جنہیں پرانے زمانے کے پنشن یافتہ بزرگ یا بڑی بوڑھی خالائیں سردی کے دنوں میں انگیٹھی کے قریب بیٹھ کر کم عمر اور خام عقل انڈر گریجویٹوں کو سنایا کرتی ہیں۔ میں انہیں بی اے کی کہانیاں کہا کرتا ہوں اور یہ بی اے کی کہانیاں اتنی ہی میٹھی اور دلنواز ہوتی ہیں جیسی الف لیلیٰ کی داستانیں اور اتنی ہی حیران کن۔ انہی افسانوں کو سن کر بیچارے انڈر گریجوایٹ نئے نئے منصوبے باندھنے لگتے ہیں۔ خوب صورت حسین ہوائی قلعے کبھی عالم خیال میں دیکھتے ہیں کہ وہ ہائی کورٹ کے جسٹس کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے ارد گرد وکلاء اور بیرسٹر "مائی لارڈ، مائی لارڈ" کہہ کر کورنش بجا لا رہے ہیں یا وہ کپتان پولیس بن گئے ہیں اور گھوڑے پر سوار ہو کر بازار سے گزر رہے ہیں ان کی دستار کا سفید طرہ ہوا میں لہرا رہا ہے اور لوگ اس سفید پرچم کو جھک جھک کر سلام کر رہے ہیں یا پھر وہ آئی سی ایس کے مقابلے میں امتحان میں چوتھے نمبر پر آئے ہیں۔ والد کو اتنی خوشی ہوتی ہے کہ انہوں نے شہر کے سارے بینڈ اپنے گھر کے دروازے پر اکٹھے کر لئے ہیں

مگر نہیں یہ سب دھوکا ہے دھوکا اور مایا!

یہ کچھ تو ان بی اے کی سنی سنائی کہانیوں کا اثر ہوتا ہے اور کچھ جوانی کی ابلتی ہوئی مستی کا کہ بی اے پاس کر لینے کے بعد کچھ عرصہ تک ایک نوجوان کے دل و دماغ پہ ایک نشہ سا طاری رہتا ہے اور اپنے تئیں ایک بہت انسان سمجھتا ہے اس وقت اس کی نگاہ میں بی اے کے امتحان کی اہمیت واٹر لو کی لڑائی سکندر کے حملے اور ماؤنٹ ایورسٹ کی مہم سے کم نہیں ہوتی۔ وہ جب گھر والوں سے بات کرتا ہے تو اس طرح ایک باوقار مہذب مجلسی طریق پر گویا وہ خود اپنے ہی گھر میں ایک مہمان ہے آداب نشست و برخاست میں اس کی کیفیت اور بھی مضحکہ خیز ہوتی ہے۔ مثلاً جب کرسی پر بیٹھتا ہے تو اس طرح محتاط اور چوکنا ہو کر گویا وہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہوا ہے اور اسے ہر لحظہ وہاں سے گر پڑنے کا اندیشہ ہے۔ اس کی چھاتی اور گردن کا تناؤ اتنا شدید ہوتا ہے کہ بیچاری ماں اسے بار بار پوچھ لیتی ہے کیوں بیٹا وحید تمہاری گردن کو کیا ہوا ہے۔ کہیں کوئی بل تو نہیں پڑا۔ لاؤ ذرا مالش کر دوں جس سے بیٹا وحید اور بھی چڑ جاتا ہے اور جب وحید بازار میں نکلتا ہے کہ تو اس کی حالت یہ ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے جسم کے روئیں روئیں پر "بی اے" لکھا ہے۔ اور لوگ اس کی طرف کنکھیوں سے دیکھ کر ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں "دیکھو وہ جا رہا ہے عالی ہمت نوجوان۔ جس نے اس سال بی اے پاس کیا ہے۔ لیکن یہ ہذیاتی کیفیت زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہتی اور اس امر کا تو مجھے ذاتی تجربہ ہے۔ کاش اس روز آپ یونیورسٹی ہال کے دروازے پر کھڑے ہوتے کہ جس روز میں

وہاں سے سیاہ گون میں ملبوس آنکھوں پر چشمہ لگائے، ہاتھوں میں بی اے کی ڈگری لیے خراماں خراماں باہر نکلا۔ دس نومبر ۱۹۲۶ء کی سہانی صبح تھی۔ اور یونیورسٹی ہال کے پرانے کلاک سے لے کر تانگے والے کی آواز تک دنیا کی ہر چیز حسین نظر آ رہی تھی۔ یہاں تک کہ انار کلی کے دکاندار بھی ہمیں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ اور بے اختیار ہنس رہے تھے۔ ہم لوگ ٹولیاں بنائے ریشمی گونوں کی سرسراہٹ کی موسیقی کو سنتے ہوئے انار کلی بازار میں گئے اور فوٹو کھینچنے والوں کی دکانوں میں گھس گئے۔ یہاں کتنی بھیڑ تھی۔ کتنا شور و غل، ہر طرف سیاہ گون دلچسپ باتیں اور بلند قہقہے چیئر لیڈر اور مائی ڈیئر کی آوازیں۔ تصویر کھچوالی پھر راستے میں ایک رائٹنگ پیڈ کے لئے بھی آرڈر دیا گیا۔ لالہ پڑا رام بی اے، ملک اللہ بخش بی اے، سردار لچھمن سنگھ بی اے۔ غرض نام سے نہیں بلکہ لفظ بی اے سے تھی۔

لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا یہ کیفیت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتی۔ یہ گھر والوں کے چاؤ چونچلے، دوستوں بزرگوں اور رشتہ داروں کی دلداریاں چند روزہ تھیں۔ چند دنوں تک ہماری ہر طرف دلداریاں ہوتی رہتی۔ فرض کے پردے میں دنیاداریاں ہوتی رہیں اور چند دنوں تک ہم نے بھی یہی سمجھا کہ اب ڈپٹی کمشنر صاحب کا حکم آیا کہ اب آیا کہ سرکار تمہارے بی اے کی ڈگری حاصل کر لینے پر بہت خوش ہے اور عالی ہمتی کے صلے میں وہ تمہیں تحصیل دار یا ڈپٹی یا پولیس کپتان کا عہدہ سونپتی ہے۔ لیکن جب دن کیا مہینے گذر گئے اور سوائے ایک سائیکل کے چالان کے اور کوئی سرکاری پروانہ نہ آیا تو ہم نے سوچا کہ اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے سے تو کام نہیں چلے گا کوشش کرنی چاہیئے۔ عین ممکن ہے کہ سرکار کو ہمارے بی اے پاس کرنے کا پتہ ہی نہ ہو۔ اتنی بڑی سرکار ہے اور آخر انہیں اور بھی بہت سا انتظام کرنا پڑتا ہے، وغیرہ وغیرہ تو اسی طرح سوچ سمجھ کر آخر ہم آئی سی ایس کے مقابلے کے امتحان میں بیٹھ گئے۔ وہاں جا کر پتہ چلا کہ بقول علامہ اقبال مرحوم

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اور

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

یہاں بی اے سے بھی اوپر ڈگریاں ہیں اور ان ڈگریوں کے مالک بھی یہاں امتحان کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ دل میں کچھ مایوسی سی ہوئی۔ اسی تذبذب میں پرچے بھی اچھے نہ ہوئے اور رہی سہی کسر انٹرویو نے پوری کر دی۔ یہ انٹرویو بھی عجیب بلا ہے۔ ہم نے یہ مضمون بی اے میں کاہے کو پڑھا تھا۔ وہ تو خیر ہوئی کہ میں بطور احتیاط والد صاحب کی سونے کی گھڑی ساتھ لیتا گیا تھا۔ جو انہیں انعام میں ملی تھی۔ ورنہ نہ جانے کیسی زک اٹھانا پڑتی۔ انٹرویو کمیٹی کے صدر بہت مہربان طبیعت کے مالک تھے۔ مجھ سے نہایت نرمی سے کہنے لگے۔ تمہارا نام کیا ہے۔ میں نے کانپتی ہوئی آواز میں اپنا نام بتایا تو کمیٹی کے ایک صاحب جھٹ بول اٹھے۔ ڈرتے کیوں ہو۔ کھل کر بات کرو۔ یہاں تمہیں کوئی کھا تو نہیں لے گا۔

"میں نے کہا۔ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ میرا باپ اپنے گاؤں کا نمبردار ہے"

کمیٹی کے ممبروں نے مجھ پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ لیکن مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ آخر جب میری خاندانی خدمات کا سوال آیا۔ تو میں نے جھٹ جیب سے گھڑی نکال کر سامنے رکھ دی۔

یہ کیا ہے؟ صاحب صدر حیران ہو کر بولے

یہ ایک گھڑی ہے۔ میں نے جھٹ جواب دیا۔

ہاں، ہاں۔ یہ تو میں بھی دیکھتا ہوں کہ یہ ایک گھڑی ہے لیکن میں نے مسکرا کر کہا۔ جناب والا! یہ گھڑی سونے کی ہے اور میرے والد کو انعام میں ملی تھی۔"

بہت خوب! ایک ممبر نے پوچھا۔ کوئی اور خدمت

میں نے کہا۔ لڑائی میں میرے دادا کے دادا کی ایک ٹانگ لنگڑی ہو گئی تھی۔

اس کا کوئی ثبوت، کوئی سرٹیفکیٹ!

میں نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔ سرٹیفکیٹ تو کوئی نہیں۔ لیکن دادی اماں نے مجھ سے اکثر یہ بات بیان کی ہے کہ میرے دادا کے دادا ......

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ ہنس پڑے آخر صاحب صدر نے مجھ سے کہا

"You can go now"

میں جیب میں گھڑی ڈال کر باہر نکل آیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب آئی سی ایس کا نتیجہ نکلا تو میرا نام بھی موجود تھا لیکن دو سو ستانوے نمبر پر۔

* * *

آئی سی ایس کے امتحان کے بعد بچارا غریب بی اے کئی چکر کاٹتا ہے اور کئی پاپڑ بیلتا ہے۔ کبھی انٹرویو میں فیل کبھی باقی پرچوں میں صفائی۔ فوج اور پولیس میں کوشش کی تو قد چھوٹا نکلا۔ یا اگر قد ٹھیک تھا تو چھاتی چھوٹی نکلی۔ غرضیکہ ہر طبی معائنے پر اس کے جسم میں کوئی نہ کوئی نیا نقص ضرور نکل آتا ہے۔ آئی سی ایس میں اس کی آنکھیں کمزور تھیں پی سی ایس میں اس کے پھیپھڑے مضبوط نہ رہے۔ جب تحصیل داری کے امتحان میں پہنچا تو اسے اختلاج قلب کا دورہ پڑنے لگا۔ اور آخر جب وہ سرکاری کلرکوں کے امتحان میں شریک ہوا۔ تو ڈاکٹروں کی کمیٹی نے بتایا کہ اسے ضعف دماغ کی شکایت ہے اور عین ممکن ہے کہ چند مہینوں میں پاگل ہو جائے۔

ان مرحلوں سے گزر کر اسے پتہ چلتا ہے کہ محض بی اے کی ڈگری کی کتنی اہمیت ہے بی۔اے کی ڈگری تو ایک نہایت حقیر سی شے ہے۔ یہاں قد چاہیئے، جسم اور صحت، فوجی اور سول خدمات۔ نشست و برخاست کے صحیح آداب، خاندانی وجاہت۔ دولت اور رئیسانہ اہتمام۔ وہ دن گئے کہ جب باپ آلو چھولے بیچتا تھا اور بیٹا بی اے ہو کر جھٹ ڈپٹی بن جاتا تھا۔ اب تو یہ حالت ہے کہ باپ اگر ڈپٹی ہے تو بیٹا آلو چھولے بیچ رہا ہے۔ ابھی چند روز ہوئے میرے محلے کے ڈپٹی صاحب پھر مجھ سے ملے۔ ان کے لڑکے نے حال ہی میں بی اے پاس کیا ہے۔ مجھ سے کہنے لگے۔ "بھال تم نے تو بہت سے مقابلے کے امتحان دیکھ لئے ہیں۔ کچھ ہمیں بھی صلاح دو صاحبزادے کو کہاں بھیجیں؟

میں نے عرض کی۔ قبلہ اسے کسی مقابلے کے امتحان میں مت بھیجیے گا۔

تو پھر کیا کروں۔ ڈپٹی صاحب نے جھلا کر کہا۔ اسے اتنا پڑھایا ہے۔ بی۔اے ہے۔

میں نے نہایت نرمی سے پوچھا۔ ڈپٹی صاحب! آپ کے سوا خاندان بھر میں اور کسی فرد کی بھی سرکاری خدمات ہیں۔

ڈپٹی صاحب رک رک کر بولے۔ اوں.... نہیں...

باقی صہ ۳۸ پر

از دفتر محمد حسین جعفری ایڈووکیٹ ۵۱ باغ منشی لدھا لاہور

ہاشم علی ولد محمد قوم پٹھان ساکن موضع کوچہ تحصیل چونیاں ضلع لاہور (ڈاک خانہ تلونڈی براہ راست) --- (مدعی)

بنام

(۱) مسماۃ مقصود دختر بشیر احمد قوم پٹھان (۲) بشیر احمد ولد علی محمد قوم پٹھان سکنائے موضع جندراں کلاں تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال --- (مدعا علیہم)

دعویٰ اعادہ حقوق زناشوئی

ہرگاہ آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کے خلاف ہاشم علی مدعی نے دعوے برائے اعادۂ حقوق زناشوئی زیر دفعہ ۸ سب دفعہ (۲) کے تحت بعدالت جناب ملک محمد اقبال صاحب سول جج لاہور بااختیارات فیملی جج صاحب دائر کر دیا ہے۔ جس کی آئندہ تاریخ پیشی مورخہ ۲۵ جنوری ۱۹۶۹ء مقرر ہوئی ہے۔ آپ کو رجسٹری لفافہ جات ارسال کئے جا چکے ہیں۔ لہٰذا آپ دعویٰ مذکور کا جواب اندر میعاد فیملی کورٹ ایکٹ عدالت مذکور میں داخل کریں اور اس کی ایک نقل حسب ضابطہ مؤکلم کو یا مجھے ارسال کریں۔

(مدعی بذریعہ کونسل)

(۱)

صفحۂ خواتین

سعیدہ تصدق ہاشمی

وہ مریضوں کا علاج کرنے کے ساتھ ساتھ اُن سے ہمدردی بھی کرتی ہیں

لیڈی ڈاکٹر قمر

"میری زندگی کا نصب العین ڈاکٹر بننا تھا جو میں نے حاصل کر لیا ہے"

گنگارام آؤٹ ڈور میں جب میں مریضوں کے جمگھٹ سے گزر کر لیڈی ڈاکٹر قمر کے پاس پہنچی تو وہاں دو مریض عورتیں بیڈوں پر پڑی تھیں اور تیسری مریضہ ڈاکٹر قمر کی میز کے قریب سٹول پر بیٹھی انہیں اپنی بیماری کی تفصیلات بتا رہی تھی۔ انہیں مصروف دیکھ کر میں کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی اور باہر دیکھنے لگی۔ میں نجانے کب تک وہاں کھڑی رہتی کہ اچانک ڈاکٹر قمر کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"بھئی پلیز! آپ اپنی مریضہ کو ایک گھنٹے کے لئے مجھ پر چھوڑ دیں۔ وہ بڑی عاجزی سے کہہ رہی تھیں۔" میں نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا۔ ایک آدمی جس کے ہاتھ میں گلاس تھا چمچ سے بیڈ پر پڑی ہوئی مریضہ کو پانی پلا رہا تھا۔ ڈاکٹر قمر کی بات کا اس نے کوئی نوٹس نہیں لیا اور اپنے کام میں مصروف رہا۔ ڈاکٹر قمر چند لمحوں تک اسے دیکھتی رہیں اور پھر دوبارہ بولیں۔

"میں آپ سے کہہ رہی ہوں آپ باہر تشریف لے جائیے۔ کیوں مریضہ کو تنگ کر رہے ہیں۔" اب کی بار اس آدمی پر ذرا سا اثر ہوا اور وہ بڑبڑاتا ہوا باہر چلا گیا لیکن پھر فوراً ہی واپس آ گیا اور دوبارہ چمچ سے مریضہ کو پانی پلانے لگا۔

"میں نے آپ سے کہا ہے آپ باہر چلے جائیے۔" ڈاکٹر قمر نے ذرا تلخی سے کہا تو وہ اکڑنے لگا۔

"آپ نے ہمارا مریض دیکھنا ہے تو دیکھیں نہیں تو ہمیں جواب دے دیں۔ چار گھنٹے ہو گئے ہیں ہمار کو پڑے ہوئے۔" وہ جھک جھک کرتا ہوا پھر باہر چلا گیا۔ ڈاکٹر قمر ابھی مریض کی طرف متوجہ ہی ہوئی تھیں کہ ایک دوسرے مریض کے ساتھ آتے ہوئے ڈیڑھ درجن لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔

"اجی آپ نے ہمارا مریض نہیں دیکھنا تو صاف جواب دے دیں۔ ہم کسی پرائیویٹ ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں" وہ لوگ شور مچا رہے تھے اور میں بڑی دلچسپی سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔

"تشریف رکھئے۔" ڈاکٹر قمر نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے کہا اور میں قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ "دیکھ رہی ہیں آپ یہ ملتا ہے ہمیں نرمی سے پیش آنے کا صلہ۔" ڈاکٹر قمر نے آہستگی سے کہا اور تب مجھے احساس ہوا کہ ڈاکٹروں کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مریضوں کی بھیڑ ذرا کم ہوئی تو میں نے مطلب کی بات چھیڑی۔

شادی کے بعد پیشہ ورانہ امور کی جانب پوری توجہ دینا مشکل ہو جاتا ہے

"میں آپ کا انٹرویو لینا چاہتی ہوں۔"

"انٹرویو؟" وہ ذرا حیران ہوئیں اور پھر مسکرا کر بولیں "مجھے تو انٹرویو دینے کا فن نہیں آتا۔"

"کیوں جی۔ انٹرویو دینا بھی کوئی فن ہے کیا؟" میں نے چھیڑا۔ میری اس بات پر وہ جھینپ گئیں "میرا مطلب ہے وہ ...." ان سے کوئی بات نہیں بن رہی تھی۔ میں نے بھی تنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور انہیں کہہ دیا کہ جو میں پوچھوں۔ آپ جواب دیتی جائیے۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" دلکش مسکراہٹ کے ساتھ جواب ملا۔ میں نے غور سے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی ڈاکٹر قمر کو دیکھا۔ کھلتی ہوئی گندمی رنگت اور تیکھے نقوش والی دبلی پتلی نازک سی یہ لڑکی سفید گون میں بالکل گڑیا سی لگ رہی تھی خوب صورت سیاہ روشن آنکھوں میں خلوص کی چمک اور چہرے پر تقدس کا نور تھا۔ بڑی سادگی سے بنائے ہوئے سیاہ گھنے بالوں کے درمیان سیدھی لمبی مانگ دیکھ کر مجھے بڑی پرانی بات یاد آ گئی۔ بچپن میں سنا تھا جس لڑکی کی مانگ

از دفتر سید محمد حسین شاہ صاحب ایڈووکیٹ ۱۰ فین روڈ لاہور
بمقدمہ مسماۃ حمیدہ بیگم بیوہ دختر چوہدری اللہ دتہ قوم راجپوت ساکن مکان ۲ گلی ۲ صدیقیہ کالونی عقب سوڈی وال کوارٹرز ملتان روڈ۔ لاہور۔ (مدعیہ) بنام محمد عالم ولد شاہ دین قوم راجپوت ساکن مکان ۲ اقبال سٹریٹ نمبر ۱۱ اسلام پورہ، محلہ لکھن پورہ۔ چاہ میراں لاہور (مدعا علیہ)
دعوےٰ برائے خرچہ گذارہ بچگان
حسب منشاء زیر دفعہ ۸ ضمن (۲) فیملی کورٹ ایکٹ ۱۹۶۴ء مدعا علیہ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کے خلاف مدعیہ مذکورہ نے دعوےٰ خرچہ گذارہ بچگان بعدالت جناب ملک محمد اقبال صاحب سول جج باختیارات فیملی کورٹ لاہور دائر کر دیا ہے جس میں آئندہ تاریخ پیشی مورخہ ۲/۲/۶۹ مقرر ہے لہٰذا آپ کو بذریعہ اشتہار ہٰذا مطلع کیا جاتا ہے کہ بعد اشاعت اشتہار اندر میعاد ۱۵ یوم جواب دعوےٰ عدالت مذکور میں داخل کریں بصورت دیگر یکطرفہ کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔
تحریر ۳۰/۱ (مدعیہ بذریعہ کونسل)
(۲)

لمبی ہو۔ اس کا بیاہ کسی دور دیس میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر قمر کی سیدھی لمبی مانگ دیکھ کر جی چاہا۔ انہیں چھیڑوں۔ لیکن اس بات کو کسی اور وقت کے لئے ذہن میں محفوظ رکھ کر میں ان سے سوالات پوچھنے لگی اور وہ بتاتی چلی گئیں۔

ڈاکٹر قمر بلند شہر یو۔پی کے ایک سید گھرانے میں ۲۸ر جون ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئیں وہ اپنے سات بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد اپنے خاندان کے ہمراہ ۱۹۴۹ء میں پاکستان چلی آئیں یہاں آکر کنیئرڈ سکول سے میٹرک اور ۱۹۶۱ء میں لاہور کالج فار وومن سے ایف ایس سی کرنے کے بعد فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں ایم بی بی ایس میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۶۶ء میں ایف جے سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ایک سال تک گنگا رام ہسپتال میں ہاؤس جاب کیا اس کے بعد لیڈی ولنگڈن ہسپتال میں ایک سال تک ہاؤس جاب کیا اور اب تقریباً تین ماہ سے گنگا رام آؤٹ ڈور میں میڈیکل آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔

اگرچہ مریضوں کی صبح والی بھیڑ نہیں تھی مگر اب بھی مریض آ رہے تھے۔ وہ مجھ سے باتیں بھی کئے جا رہی تھیں اور مریضوں کو بھی دیکھ رہی تھیں — بیڈ پر پڑی ہوئی ایک مریضہ کو دیکھنے کے بعد وہ نسخہ بنا کر فارغ ہوئیں تو میں نے پھر بات شروع کی۔

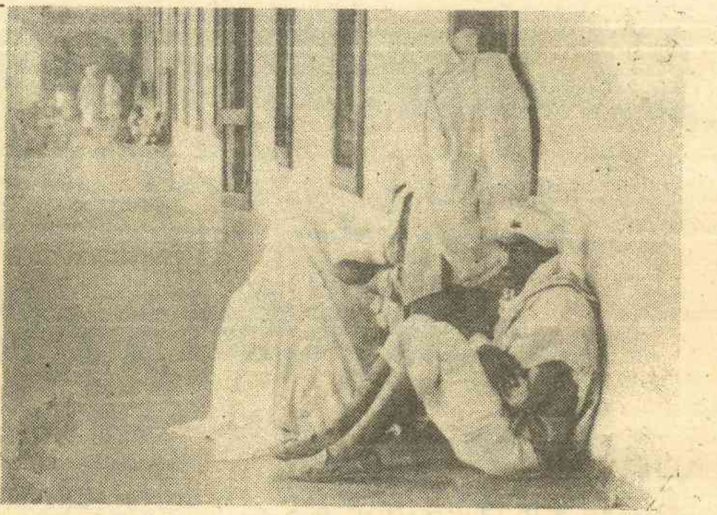

مریض

کمرے کے باہر

اپنی باری کا

انتظار کر

رہے ہیں

"آپ کا شادی کے بارے میں کیا خیال ہے"؟

اس سوال پر کھلتی ہوئی گندمی رنگت گلابی ہو گئی۔ مسکرا کر کہنے لگیں۔ "فی الحال تو کوئی ارادہ نہیں ہے"۔

"کیوں"، میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

اس لئے کہ شادی کے بعد زندگی بٹ کر رہ جاتی ہے"۔

ان کا جواب معقول تھا لیکن مجھے مطمئن نہ کر سکا۔

"تو اس کا مطلب ہے ڈاکٹروں کو شادی نہیں کرنی چاہیئے"؟ میں نے سوال کیا

"یہ میں نے کب کہا ہے۔ شادی تو ضرور کرنی چاہیئے"۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور مجھے بات آگے بڑھانے کا موقع مل گیا۔

"تو آپ یہ جانتی ہیں کہ شادی ضرور کرنی چاہیئے پھر اب بتایئے کہ آپ فی الحال شادی کیوں نہیں کرنا چاہتیں"؟۔

"بہت کچھ ہونا چاہیئے جو نہیں ہوا کرتا" انہوں نے آہستہ سے جواب دیا۔ جب میں نے ان سے ان کے آئیڈیل کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگیں۔

"میرا بچپن سے ایک آئیڈیل تھا جو مجھے مل گیا"

"وہ کیا"؟ میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"یہی کہ میں بچپن سے ڈاکٹر بننا چاہتی تھی اور بن گئی" انہوں نے بڑی خوبصورتی سے جواب دیا۔

"تو کیا آپ کا اور کوئی آئیڈیل ——" وہ میرا مطلب سمجھ گئی تھیں میری بات کاٹ کر بولیں۔

"جی نہیں میرا ایسا کوئی آئیڈیل نہیں تھا" وہ ایک لمحے کے لئے رکیں اور پھر بولیں۔ "ویسے بھی میرا خیال ہے کہ شادی والدین کی پسند سے کرنی چاہیئے" اس وقت ڈاکٹر قمر مجھے وہ مشرقی بیٹی نظر آ رہی تھیں جو اپنے فرض پر اپنی محبت اپنی تمنائیں اور اپنی امنگیں سب کچھ قربان کر دیا کرتی ہے۔

"کیا آپ کو اب بھی اپنا پیشہ اتنا ہی اچھا لگتا ہے جتنا ڈاکٹر بننے سے پہلے لگتا تھا۔ یا کبھی آپ نے اپنے کام سے بوریت بھی محسوس کی ہے"؟ میں نے سوال کیا۔

"میرا پیشہ تو میرا آئیڈیل ہے اور اپنے آئیڈیل سے آدمی کیسے اکتا سکتا ہے"؟ انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ میں نے جب اُن کی قریبی اور عزیز دوستوں کے بارے میں پوچھنا چاہا تو انہوں نے بڑی خوبصورتی سے یہ کہہ کر ٹال دیا۔

"دوست وہی ہوتے ہیں جو میرے قریب ہوں اور جو قریب نہ ہوں وہ دوست نہیں بلکہ صرف جاننے والوں کی فہرست میں آتے ہیں"۔

ڈاکٹر قمر مشہور و معروف شاعرہ محترمہ کشور ناہید کی چھوٹی بہن ہیں۔ یہ کتنا حسین اتفاق ہے کہ ایک بہن شاعرہ ہے اور دوسری ڈاکٹر۔ ایک بہن دوسروں کے روحانی دکھوں کا مداوا کرتی ہے اور دوسری لوگوں کے جسمانی دکھوں کی معالج ہے کشور اپنے شعروں میں دوسروں کا درد سمو دیتی ہے اور قمر اپنی پیاری باتوں اور معالجے سے اپنے مریضوں کے دکھ کا مداوا کرتی ہے دونوں کو دوسروں کے دکھ بانٹنے میں سکون ملتا ہے اور شاید زندگی اسی کا نام ہے۔

پھڑکتی تتلی

لندن کے ۳۲ سالہ ٹرک ڈرائیور لیونارڈ ہیڑ نے ایک شام جب اپنی بیوی ۲۵ سالہ اینی کو مکان کے باہر والے باغ میں ایک عجیب و غریب لباس پہنے ہوئے گھومتے دیکھا، تو اس نے اسے اندر بلایا اور بڑے آرام سے کہا۔

دیکھو! یہ لباس آئندہ مت پہننا"۔

"کیوں؟" اینی ہیڑ کی بھنویں تن گئیں۔

"اس لئے کہ ...."

ہیڑ کا لہجہ تیز ہو گیا۔ "میں اپنے گھر میں خوبصورت بیوی کو دیکھنا چاہتا ہوں نہ کہ ایک پھڑکتی ہوئی تتلی کو"

از دفتر رشید احمد اعوان بی۔اے۔ ایل ایل۔بی ایڈووکیٹ
ہائیکورٹ آف ویسٹ پاکستان ۶/۲ بادامی باغ لاہور

مسماۃ نذیراں دختر جہاناں قوم کارو سکنہ کچی جھگیاں نزد ریلوے اسٹیشن بادامی باغ معرفت محرر چونگی ریلوے اسٹیشن بادامی باغ منجانب غرب لاہور (مدعی)

بنام گاماں ولد دمن قوم کلیلے سکنہ حصہ خشت اسلم پہلوان نمبر ۷، فتح گڑھ لاہور (مدعا علیہہ)

دعویٰ تنسیخ نکاح

حسب منشا دفعہ ۸ ضمن ۲ فیملی کورٹ ایکٹ ۱۹۶۴ء مدعا علیہہ مذکورہ بالا کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مدعیہ نے دعویٰ تنسیخ نکاح برخلاف مدعا علیہہ بعدالت جناب ملک محمد اقبال صاحب سول جج با اختیارات فیملی کورٹ لاہور مورخہ ۴/۱/۶۹ کو دائر کر دیا ہے جس میں آئندہ تاریخ پیشی مورخہ ۲۲/۲/۶۹ مقرر ہوئی ہے۔ لہٰذا آپ کو بذریعہ نوٹس ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ، اس اشاعت کے پندرہ دن کے اندر اندر اصالتاً یا وکالتاً عدالت موصوف میں حاضر ہو کر جواب دعوےٰ معہ فہرست گواہان پیش کریں۔ ورنہ کارروائی یکطرفہ حسب ضابطہ عمل میں لائی جاوے گی۔ المرقومہ ۶/۱/۶۹

(مدعیہ بذریعہ کونسل)

(۹)

آدم خور شیر

نہتے افریقی جوان کی شجاعت کا مقابلہ نہ کر سکا!

تحریر
سید حشمت علی

"شیروں کے ایک جوڑے نے تباہی مچا رکھی ہے فوراً آؤ" ڈسٹرکٹ آفیسر کا تار ملتے ہی میں نے تیاریاں شروع کر دیں۔ میں اس زمانے میں افریقہ میں روانڈا کے علاقے میں فارسٹ آفیسر تھا۔ میرا علاقہ محفوظ تھا یعنی اس علاقے میں شیروں کو کوئی مار نہ سکتا تھا۔ چونکہ اندھا دھند شکار نے شیروں اور دوسرے جانوروں کی نسل کے ختم ہونے کا خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ لہذا گورنمنٹ نے کچھ علاقوں کو محفوظ علاقہ قرار دے دیا تھا۔ یہاں جانور آزادی کے ساتھ رہتے تھے۔ دوسرے ملکوں سے سیاح ان کو دیکھنے کے لئے آتے تھے۔ میرا فرض تھا کہ ان سیاحوں کی جانوں کی پوری حفاظت کی جائے۔ جانور بھی اپنی سلامتی کی طرف سے کافی بے فکر ہو چکے تھے۔ لہذا بالکل قریب سے ان کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ میں چونکہ اپنے علاقے میں شکار نہ کھیل سکتا تھا لہذا ان علاقوں میں جہاں شکار ہوتا تھا یا جہاں آدم خور اپنی سرگرمیاں جاری رکھتے تھے میں برابر جایا کرتا تھا۔

دوسرے دن صبح منہ اندھیرے میں اپنی جیپ پر ضروری سامان لے کر افریقی رہبر گونگا اور دوسرے ملازموں کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ میرے قریب ہی رائفل رکھی تھی پیچھے ایک شارٹ گن اور ایک ہاتھی مار بندوق گونگا سنبھالے گٹھڑ پر بیٹھا تھا۔ راستہ تنگ اور ناہموار تھا۔ دونوں طرف ٹیلے یا چٹانیں تھیں راستہ میں جگہ جگہ لمبے لمبے گہرے کھڈ تھے جن کے اوپر درختوں کے تنے بچھا کر پل بنا دیے جاتے تھے۔ ہماری رفتار بہت سست تھی اب نو بجے تھے اور افریقہ کا سورج ابھی سے آگ برسانے لگا تھا ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا کبھی کبھی بلند اور گھنی جھاڑیوں کے سائے میں بیٹھا ہوا بارہ سنگوں کا ریوڑ۔ جیپ کی آواز سے ہڑبڑا کر جھاڑی سے نکل کر بھاگتے ہوئے دکھائی دیتا۔ جنی وارن مرغیوں کے جھنڈ ادھر سے ادھر بھاگتے اور اڑتے نظر آ رہے تھے کتنا سکون تھا مگر اسی سکون کے پیچھے گھنی جھاڑیوں میں آدم خور شیروں کی شکل میں موت چھپی ہوئی تھی۔

شیر نے اچانک حملہ کیا لیکن نہتے افریقی باشندوں نے چاروں طرف سے اُسے گھیر کر موت کے گھاٹ اُتار دیا!

میں انہی خیالات میں ڈوبا ہوا گاڑی چلاتا فارسٹ بنگلے پر پہنچا۔ ڈسٹرکٹ آفیسر موجود تھا اس نے فوراً ایک افریقی کو بلایا جو کچھ ہی دیر پہلے خبر لے کر آیا تھا اس کی زبانی معلوم ہوا کہ رات کو اس کے گاؤں کی ایک عورت رفع حاجت کی غرض سے گاؤں کے چاروں طرف کھنچی ہوئی دیوار سے اتر کر جھاڑیوں میں گئی تھی تھوڑی دور جھاڑیوں میں سرسراہٹ محسوس کرتے ہی بری طرح چیخ کر بھاگی اصل میں پچھلی متواتر وارداتوں نے ہر شخص کو چوکنا اور ہوشیار کر دیا تھا۔ عورت کی اس تیزی نے اس کی جان بچا دی۔ عورت کا شوہر جس کی آنکھ عورت کے اٹھنے سے کھل گئی تھی چیخ کی آواز سنتے ہی چلاتا ہوا برچھا لے کر دوڑ پڑا اور سیدھا دیوار پر پہنچا۔ اس وقت عورت دیوار پر چڑھ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ کا سہارا دے کر اس کو اندر کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ جھاڑیوں کے اندھیرے سے ایک دبی ہوئی غراہٹ سنائی دی۔ شکار ہاتھ سے نکل جانے پر شیر کے منہ سے غراہٹ کی آواز نکل پڑی تھی۔ ورنہ شکار کرتے وقت اس کے پیر کی چاپ تک کوئی نہیں سن سکتا۔

میں نے ان تمام واقعات سے نتیجہ اخذ کیا کہ شیروں کا جوڑا ابھی اسی گاؤں کے نواح میں موجود ہے لہذا سیدھے وہیں چلنا چاہیے بلا وقت ضائع کئے ہم روانہ ہو گئے۔

وہ کرال (گاؤں) نہ بہت بڑا تھا اور نہ بہت چھوٹا چاروں طرف تقریباً ۱۲ فٹ چار دیواری جس کو افریقی بوما کہتے ہیں بنی ہوئی تھی جس میں صرف ایک دروازہ تھا۔ بیچ میں جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں جھونپڑیوں کے درمیان میدان چھوٹا سا رکھا ہوا تھا۔ یہ پورا میدان مویشیوں کے گوبر اور پیشاب کی بدبودار کیچڑ سے ڈھکا ہوا تھا قبیلے کا ہر آدمی بلند قامت تھا۔ بعض کا قد تو چھ فٹ سے بھی زیادہ تھا۔ ہر شخص تندرست اور دوہرے بدن کا تھا کچھ ترچھی بڑی سفید آنکھیں چپٹا چہرہ جس پر پکوڑی ایسی ناک چپکی ہوئی تھی۔ سر پہ مہین مہین گھومے ہوئے بال پورا بدن کالا کوئلہ جس میں سفید دانت اور آنکھیں چمک کر عجیب ڈراؤنا

منظر پیش کرتی ہیں۔ مردوں کے جسم پر چیتے، شیر یا ہرن کی کھال لپٹی ہوئی تھی۔ ہر شخص کے ہاتھ میں یا تو بھالا تھا یا کمان۔ عورتیں نیم برہنہ تھیں کان بھاری بالیوں کی وجہ سے ٹوٹے پڑ رہے تھے سر کے بال گائے کے پیشاب سے چپڑے ہوئے تھے اور سر کے چاروں طرف جھالریں سی لٹک رہی تھیں جن پر مکھیوں کے جھنڈ بادلوں کی طرح سایہ کئے ہوئے تھے۔

تلاش کا آغاز

افریقی بڑے ماہر کھوجی ہوتے ہیں اور شیروں کے پیر کے نشان دیکھ کر بتلا دیتے ہیں کہ وہ نر ہے یا مادہ۔ بوڑھا ہے یا جوان اور یہ کہ کتنی دیر ہوئے گزرا ہے۔ چنانچہ میں نے اس گاؤں سے چھ آدمی لئے اور ہم سب شیروں کی تلاش میں نکل پڑے افریقہ کا راستہ چاہے انسانوں کا بنایا ہوا ہو یا جانوروں کا سیدھا ہوتا ہی نہیں۔ ہم انہیں ٹیڑھے میڑھے راستوں پر تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔

راستہ ڈھلوان تھا۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی نالیاں اوپر سے نیچے اتر رہی تھیں جو اس وقت خشک پڑی تھیں۔ جھاڑیاں اب ہلکی ہو گئی تھیں۔ جگہ جگہ گھاس کے میدان تھے۔ میں نے دیکھا کہ راہبر نے اپنی رفتار کم کر دی ہے۔ لہٰذا میں محتاط اور چوکنا ہو گیا، کرنل گا میرے برابر چل رہا تھا جو میری رائفل دوربین اور کارتوس کا بکس اٹھائے ہوئے تھا۔ ڈھلوان ختم ہونے کے بعد ہم گھاس کے جنگل کے کنارے پر پہنچ گئے۔ بندوق میرے ہاتھ میں تھی۔

گھاس اتنی اونچی تھی کہ بعض جگہ ہمارے سروں سے بھی اوپر نکل گئی تھی۔ راہبر کے کہنے کے مطابق شیر کا جوڑا اسی گھاس کے جنگل میں تھا۔ ہم سب بہت احتیاط سے بڑھ رہے تھے افریقی راہبر اپنی ناک اوپر اٹھا کر ہوا کو سونگھتا تھا اور پھر آگے بڑھتا تھا۔ گھاس کا ایک قطعہ پار کر کے کھلی جگہ میں آ گئے اچانک راہبر رک گیا اور اس نے اپنا بھالا حملہ کرنے کی پوزیشن میں اٹھا لیا۔ میں بڑھ کر اس کے برابر پہنچا۔ سامنے گھاس کے ایک جھنڈ میں ایک بھورا سایہ انگڑائیاں لیتا اٹھا۔ دو لمبوترے کانوں کی نوکیں دائیں بائیں ہلیں۔ جن کے بیچ میں دو چمکتی ہوئی آنکھیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ شیرنی تھی کافی بلند قامت اور زبردست۔

میں بندوق لے کر آگے بڑھا اور ایک گھٹنا زمین پر ٹیک کر نشست لے لی۔ میں چاہتا تھا کہ اگر شیرنی گھاس سے باہر نکل آئے تو نشانہ اچھا لگ سکے گا۔ مگر اچانک شیرنی کی دم کی نوک لہراتی ہوئی نظر آ گئی۔ جس کا صاف مطلب تھا کہ وہ وہیں سے سیدھے چھلانگ لگانے والی ہے۔

میرا فائر اور شیرنی کی چھلانگ تقریباً ساتھ ہی ہوئے مگر گولی بہت تیز ہوتی ہے۔ شیرنی نے چھلانگ بہت زبردست لگائی تھی اور سیدھے مجھ پر آتی۔ مگر گولی نے اس کے زبردست سر کے چیتھڑے اڑا دیئے تھے۔ اعصابی ہیجان کی وجہ سے فائر کرنے کے بعد میں تقریباً بے جان سا ہو کر بیٹھ گیا تھا جب دماغ کچھ صاف ہوا تو میں نے دیکھا میرے سامنے میدان کے بیچ میں ایک زبردست بھورے رنگ کا پیکر پڑا ہوا تھا جس کا ایک پنجہ یوں آگے بڑھا ہوا تھا۔ جیسے کہ اس نے مرتے مرتے بھی اپنے شکاری کو پکڑنے کی کوشش کی ہو۔

شیر کا حملہ

میرے دونوں آدمی بیٹھ کر شیرنی کی کھال اتارنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ نر کے آج ملنے کی کوئی امید نہیں تھی کیونکہ فائر کی آواز سے وہ بھاگ گیا ہو گا پھر بھی احتیاط ضروری تھی اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک افریقی شاید پیشاب کرنے کی غرض سے جھاڑیوں کی طرف جا رہا ہو۔ میں نے اس کو پکارا کہ جھاڑیوں کے قریب مت جاؤ۔ کوئی نہیں جانتا ان میں کیا ہے۔ مگر میری آواز کے ساتھ ہی داہنی طرف کی جھاڑیوں کو چیر کر بڑے بڑے بالوں سے بھرا ہوا۔ ایک زبردست گنجان سر باہر نکلا اور جھپٹ کر شیر ببر افریقی پر آ گیا۔ میں بندوق لے کر دوڑ پڑا۔ یہاں سے گولی چلانے کا کوئی موقع ہی نہ ملا تھا۔

مگر واہ رے افریقی بہادرو! بلا کسی خوف یا دہشت کے بجائے لے کر شیر پر چل پڑے۔ میں الگ کھڑا بندوق لئے موقع کی تلاش میں تھا مگر افریقیوں کے حملے بڑی شدت سے جاری تھے۔ شیر کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی گرج کے ساتھ پلٹا اس کے نیچے دبا ہوا افریقی کئی فٹ تک لڑھکتا چلا گیا۔ اور شیر اچھل کر نرغے سے باہر آ گیا۔ ساتھ ہی میں نے دونوں نالیں اس کی کھوپڑی پر خالی کر دیں وہ غرا کر کئی فٹ ہوا میں اچھل گرا اور پھر اچھلا پھر گرا۔ پھر اچھلا اور پھر کمر سے دہرا ہو کر چاروں ٹانگوں پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد پھر اٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔ حالانکہ اس کے بدن پر بھالوں کے بارہ زخم تھے۔ پورا جسم خون سے تربتر تھا۔ اور بندوق کی دو گولیاں کھوپڑی میں پیوست تھیں۔ اٹھ کر وہ ایک بار پھر گرجا۔ یہ گرج ایسی تھی کہ جو شخص موجود تھا اس کے بدن میں تھرتھری سی دوڑ گئی۔ اور پھر غرا کر وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

میں حیرت سے جنگل کے شہنشاہ کی زبردست لاش کو دیکھتا رہا آخری سانسوں تک اس نے موت کو شکست دینے کی کوشش کی تھی۔ اور بڑی بہادری کا ثبوت دیا تھا۔ اگر افریقیوں کے بھالوں نے اس کو الجھا نہ لیا ہوتا تو میری بندوق اس کے شکار کو نہ بچا سکتی تھی۔ آج بھی اس کی کھال میرے پاس محفوظ ہے حالانکہ بھالوں اور گولیوں نے اس کو چھلنی کر دیا ہے مگر میں اسی طرح اس کو محفوظ رکھے ہوئے ہوں۔ افریقی کافی زخمی ہو چکا تھا مگر بروقت طبی امداد سے بچ گیا۔ ہاں اسی جنگ کی یادگار سینے اور چہرے پر زخموں کے نشانات کی شکل میں موجود ہیں۔ تین دوسرے افریقیوں کو معمولی زخم آئے تھے۔

بعدالت جناب ایڈمنسٹریٹو سول جج صاحب سیالکوٹ

محمد شاہ ولد حسن شاہ قوم سید ساکن کوٹلے چیک تحصیل سیالکوٹ حال محلہ ناصر روڈ مکان ۵۰ ۲/۱۲۵ شہر سیالکوٹ ۔۔۔(مدعی) بنام صاحب بی بی مدعا علیہا دختر احمد قوم مغل ساکن کوٹلے چیک تحصیل سیالکوٹ حال موضع کھمبر کے تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ

دعویٰ اعادہ حقوق زناشوئی

اشتہار اخبار زیر دفعہ ۸ ضمن ۲ فیملی کورٹ ایکٹ ۱۹۶۴ء

ہرگاہ مدعی نے دعوے مندرجہ عنوان بالا برخلاف مدعا علیہا بعدالت جناب ایڈمنسٹریٹو سول جج با اختیارات فیملی جج سیالکوٹ دائر کر دیا ہے اور آئندہ تاریخ پیشی ۱۶/۱/۶۹ مقرر ہے۔ مدعا علیہا کو بذریعہ اشتہار ہذا آگاہ کیا جاتا ہے کہ وہ اندر پندرہ یوم بعد وصولی نوٹس یا اشتہار اخبار کے عدالت مذکورہ بالا میں جواب دعوے داخل کرے اور ایک نقل جواب دعوے معہ گواہان بنام مدعی رجسٹری کرے۔ ورنہ آپ کے خلاف یکطرفہ کارروائی عمل میں لائی جاسے گی

(مہر عدالت) (دستخط حاکم)

(۱۲)

باجلاس جناب۔ چوہدری تاج محمد صاحب سول جج باختیارات جج فیملی کورٹ، سرگودھا۔

دعویٰ فیملی کورٹ ۲۴۷ سال ۱۹۶۸ء

مسماۃ ایمنہ بی بی دختر متعلی قوم مسلم شیخ سکنہ موضع میلہ تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا (مدعیہ) بنام داود ولد دادو قوم مسلم شیخ سکنہ موضع لاکھا تحصیل پھالیہ ضلع گجرات ۔۔۔۔۔ (مدعا علیہ)

حسب استدعا مدعیہ بمنشاء دفعہ ۸ ضمن ۲ فیملی کورٹس ایکٹ ۱۹۶۴ء مدعا علیہ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ مدعیہ نے دعویٰ تنسیخ نکاح مورخہ ۲۶/۱۱/۶۴ کو دائر عدالت ھٰذا کر دیا ہے۔ اس لئے مدعا علیہ مذکور جواب دعویٰ لہٰذا پندرہ یوم داخل عدالت ہٰذا کرے ورنہ اُس کے خلاف کارروائی یکطرفہ کی جائے گی۔ جب کہ دعویٰ میں آئندہ تاریخ پیشی ۱۸/۲/۶۹ مقرر ہے۔ تحریر ۲/۱/۶۹

(مہر عدالت) (دستخط حاکم)

(۱۳)

دلچسپ و عجیب

انڈیمان کا جزیرہ

جہاں نوجوان کو شادی سے پہلے دو چار خون کرنے پڑتے ہیں

انڈیمان جزائر میں آباد بونوں کا یقین ہے۔ کہ چھوٹے بچوں کے جسم میں بھوت پریت رہتے ہیں۔ اسی لئے یہ لوگ ہر دوسرے یا تیسرے ماہ اپنے بچوں کے جسم میں سے کرید کرید کر خون نکالتے رہتے ہیں۔ ان کے خیال میں اس طرح کے عمل سے یہ گندی روحیں بھاگ جاتی ہیں۔ آسام کی منی پور ریاست اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں پھیلے ہوئے ناگا قبائلوں کا خیال ہے کہ جن لوگوں کا سر وہ قلم کر دیں گے۔ وہی جنت میں جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں انسانی زندگیوں کا کھیل بہت زور شور سے جاری رہتا ہے جو ناگا سب سے زیادہ سر قلم کرتا ہے بس سماج میں اسی کا ڈنکا بجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تک کوئی نوجوان دو چار کا خون نہ کر لے تب تک کوئی بھی لڑکی اس سے شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔

بنجاروں کی قوم میں اگر کسی عورت کی پہلی اولاد انتقال کر جائے تو اس معصوم کی لاش کو اس راستے میں دفن کرتے ہیں جہاں دن رات بیل گاڑیوں کی آمد و رفت جاری ہو۔ ان کے خیال میں وہی عورت مزید بچوں کی ماں بنتی ہے۔

آسام کی پہاڑیوں میں چیچک سے نمودار ہونے والے دانوں کو دیوی ماتا کے بوسوں سے منسوب کیا جاتا ہے اور ان کا پانا بہت اونچے درجے کا آشیرواد تسلیم کیا جاتا ہے اسی وجہ سے چیچک کے مریض کو بڑی ہی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ لوگ مریض کے استعمال کئے ہوئے پانی کو اپنے اوپر اس لئے چھڑکتے ہیں کہ دیوی اپنی نظر ان پر بھی کر دے۔ بچے ایسے مریض کے گھر جلوس کی شکل میں اس طرح جاتے ہیں کہ کسی مندر میں جا رہے ہوں۔

از دفتر جناب چوہدری جال دین صاحب ایڈووکیٹ ٹوبہ ٹیک سنگھ

بمقدمہ مسمات نور بی بی دختر غلام محمد قوم موچی ساکن چک ۳۶۶ ج۔ب تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ (مدعیہ) بنام غلام حسین ولد محمد بخش قوم موچی ساکن چک ۴۳۹ ج ب ڈاکخانہ چک ۳۴۸ ج ب موضع نتروالی تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ (مدعا علیہ)

دعویٰ تنسیخ نکاح

حسب منشاء ۸ زیر دفعہ ضمن ۲ ایکٹ فیملی کورٹ ۱۹۶۴ مدعا علیہ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کے خلاف مدعیہ مذکورہ نے دعوے تنسیخ نکاح بعدالت جناب سول جج صاحب با اختیارات فیملی کورٹ ٹوبہ ٹیک سنگھ مورخہ ۱۳/۱۱/۶۸ کو دائر کر دیا ہے جس کی آئندہ تاریخ پیشی ۲۱/۱/۶۹ مقرر ہے۔ لہٰذا آپ تاریخ مقررہ پر حاضر عدالت آکر اصالتاً یا وکالتاً جواب دعوے داخل کریں عدم تکمیل کی صورت میں یکطرفہ کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔

(مدعیہ بذریعہ کونسل)

(۳)

سانڈوں سے لڑنے والی حسینہ

انگرڈ بیٹ کا شمار دنیا کی حسین ترین ایکٹرسوں میں ہوتا ہے وہ صرف ایکٹریس ہی نہیں بلکہ دنیا کی ایک ایسی بہادر عورت ہے جو خونخوار سانڈوں سے لڑتی ہے اور جس نے کئی ریکارڈ قائم کئے ہیں۔ وہ نہایت ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کرتی ہے اس کا باپ اپنے وقت کا مشہور پہلوان تھا۔ جس نے خونخوار سانڈوں سے کئی لڑائیاں لڑیں۔ سپین میں اس کے کئی فارم ہیں جہاں سانڈ پالے جاتے ہیں۔ یہ سانڈ دوسرے جانوروں سے بالکل علیحدہ رکھے جاتے ہیں۔ تاکہ یہ دوسرے جانوروں سے گھل مل نہ جائیں۔ انگرڈ سپین میں ایک فلم بنانے والی ہے جس میں سانڈوں کی لڑائی کی ہزاروں سال پرانی کہانی فلمائی جائے گی۔ اس فلم پر لاکھوں روپیہ خرچ اٹھے گا۔ لندن سے سپین روانہ ہونے سے پہلے انگرڈ نے بتایا کہ سانڈوں کے ساتھ وہی بے خوفی سے لڑ سکتا ہے۔ جو اس خیال کو دل میں لے کر اکھاڑے میں اترے کہ لڑائی میں کامیابی حاصل کرنی ہے۔ ناکام نہیں لوٹوں گا۔ اس نے بتایا کہ سانڈ جب پھنکارتا ہوا حملہ آور ہوتا ہے۔ تو اس کا مقابلہ کرنا آسان کام نہیں ہوتا اس وقت جان کی بازی لگانی پڑتی ہے۔ سانڈ کو شبہ دے کر ایک طرف ہٹ جائیں تو وہ سیدھا بھاگتا جائے گا اس وقت میں اس کا تعاقب کرتی ہوں۔ دم یا ٹانگ پکڑ کر اسے گرانے کی کوشش کرتی ہوں۔ یہ وقت بڑا نازک ہوتا ہے سانڈوں سے وہی لڑ سکتا ہے جس میں سانڈ کی طرح طاقت ہو اور اس فن سے پوری طرح واقف ہو۔ سانڈوں سے لڑتے ہوئے میں بیس بار زخمی ہو چکی ہوں۔ میرے جسم کی کئی ہڈیاں ٹوٹ چکی ہیں مگر میری ہمت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

لمبے ناخن بھی طلاق کا باعث بن سکتے ہیں!

لندن کی نرس تینا رابرٹ اس بات میں یقین رکھتی ہے کہ انگلیوں کے ناخن جتنے لمبے ہوں گے۔ اتنی ہی عمر بڑھے گی یہ صحت کی نشانی ہیں۔ تینا کے ناخن ابھی تین انچ لمبے ہیں اس کا خیال ہے کہ یہ دو سال کے اندر چھ انچ لمبے ہو جائیں گے۔ اس کے خاوند کو اس کے ناخنوں سے سخت نفرت ہے وہ سمجھتا ہے کہ لمبے ناخن صاف نہیں رہ سکتے

ان کا صحت پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے اس کے کافی سمجھانے کے بعد جب اس نے ناخن نہیں ترشوائے تو اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ عدالت میں بیان دیتے ہوئے اس نے کہا مجھے ان ناخنوں سے ڈر لگتا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میری بیوی ناخنوں سے میرا پیٹ پھاڑ رہی ہے۔ طلاق کی درخواست منظور ہو گئی۔

وہ سکوت کی تلاش میں غاروں میں بسیرا کئے ہوئے ہیں

بحیرہ روم کے جزیرہ کریٹ میں قدیم زمانہ کی پچاس سے زیادہ غاریں ہیں۔ پرانے یونانی حکمرانوں کے وقت ان غاروں میں مردے دفن کئے جاتے تھے۔ اس کے بعد یہاں کوڑھیوں کی بستی بنی جو کسی وجہ سے اجڑ گئی۔ اب ان غاروں میں وہ امریکن رہتے ہیں جو اس مادی دنیا سے بیزار ہو کر آبادی سے دور پتھر کے زمانے کے لوگوں کی طرح زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ امریکہ کے ایک اخبار کا نمائندہ کریٹ گیا۔ تاکہ ان غاروں میں رہنے والے لوگوں کے حالات معلوم کر سکے۔ ان غاروں کا کوئی کرایہ نہیں جو چاہے رہائش اختیار کر سکتا ہے۔ ان میں رہنے والے زیادہ تر امریکہ کے نوجوان مرد اور عورتیں ہیں۔ اس نمائندے نے جب ان سے پوچھا کہ وہ امریکہ چھوڑ کر یہاں کیوں آ گئے تو اکثر کی طرف سے جواب دیا گیا۔ کہ اس دنیا میں جہاں رہتے تھے کیا رکھا ہے سوائے دکھوں اور پریشانیوں کے اور ہے ہی کیا۔ رک ہیکر نے جو امریکہ کی ایک یونیورسٹی کا ایم۔ اے ہے بتایا۔ شہروں کی زندگی دوزخ بن گئی ہے۔ انسان انسان کے خون کا پیاسا بن رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لالچ نے اسے اندھا کر دیا ہے امریکہ میں کیا ہو رہا ہے اس کی ہمیں فکر نہیں معمولی کھانا کھا کر زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔ کسی قسم کی فکر نہیں۔ ایک نوجوان لڑکے نے بتایا کہ امریکہ میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے دیکھ کر میں خدا کی ذات سے منکر ہو گیا ہوں۔ امریکہ میں امن اور آشتی کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ حکومت ہی نہیں بلکہ لوگ بھی تشدد پہ یقین رکھتے ہیں۔ جس ملک میں صدر کینیڈی اور اس کے بھائی کو قتل کیا جا سکتا ہے اس ملک کے لوگ درندوں سے بھی بدتر ہیں کوئی بھی امن پسند ان کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرے گا۔ غاروں میں رہنے والے امریکنوں کی تعداد چار سو ہے۔ امریکہ کے امن پسند امریکہ کی نسبت غاروں میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

بعدالت جناب چوہدری محمد اسلم صاحب سول جج اوکاڑہ
باختیارات جج فیملی کورٹ
مقدمہ ج/ف/۳۴۹ بابت ۱۹۶۸ء

مسمات سرداراں زوجہ محمد شریف ذات لوہار سکنہ 5.D/۲۰ تحصیل اوکاڑہ ..... (مدعیہ)

بنام: محمد شریف ولد چراغ دین ذات لوہار سکنہ پھولرہ تحصیل پسرور۔ ضلع سیالکوٹ۔

دعویٰ تنسیخ نکاح

حسب استدعا مدعیہ۔ مدعا علیہ کو حسب منشا فیملی کورٹ ایکٹ ۱۹۶۴ء مطلع کیا جاتا ہے کہ مدعیہ مسمات سرداراں نے مدعا علیہ محمد شریف کے خلاف دعویٰ تنسیخ نکاح دائر کیا ہے۔ جس کی تاریخ پیشی ۳۰/۱/۶۹ مقرر ہے۔ آپ پندرہ یوم کے اندر جواب دعویٰ پیش کریں ورنہ آپ کے خلاف کارروائی یک طرفہ عمل میں لائی جاوے گی۔

(دستخط حاکم) (مہر عدالت) (۶)

خونخوار جانور بھی انسانی بچوں سے محبت کرتے ہیں!

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس طرح انسان اپنے بچے سے محبت کرتا ہے اسی طرح جنگل میں رہنے والے جانور بھی انسان کے بچے کو اپنے بچے کی طرح پالتے ہیں۔ ہندوستان میں ۱۰ سے زیادہ مثالیں ایسی ملتی ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایک جنگلی جانور کسی آدمی کے بچے کو اٹھا کر لے گیا۔ اور اسے اپنے بچوں کی طرح پالا۔ ان مثالوں کا تعلق زیادہ تر بھیڑیوں سے ہے جو خونخوار ہوتے ہوئے بھی بچوں کے لئے اپنے دل میں محبت رکھتے ہیں۔ چاہے یہ انسان کے کیوں نہ ہوں۔ عراق میں بھیڑیئے کی غار سے دو لڑکیاں برآمد کی گئیں۔ جو بھیڑیوں کی طرح بڑی تیز رفتاری سے بھاگتی تھیں۔ کچا گوشت کھاتیں اور بھیڑیوں کی طرح ہی غراتی تھیں۔ ان لڑکیوں کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بھیڑیوں نے گاؤں پر حملہ کر دیا۔ کئی جانیں تلف کر دیں۔ جب لڑکیاں نہ ملیں تو واپس چلے گئے۔ اس کے بعد بھی انہوں نے حملہ کر دیا۔ مگر لڑکیاں نہ مل سکیں۔ پندرہ روز کے بعد دیکھا گیا کہ ایک مادہ بھیڑیا غار کے باہر مردہ پڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان لڑکیوں کی جدائی کے غم میں گھل گھل کر جان دے دی۔ چھوٹی لڑکی تو مر گئی لیکن بڑی لڑکی دس سال تک زندہ رہی۔ وہ بولنے تو لگ گئی۔ لیکن اس کے اندر جو درندہ پن تھا۔ وہ نہ گیا۔ یونان میں ایک نوسالہ لڑکی جنگل میں پائی گئی۔ جسے ایک ریچھنی نے پال رکھا تھا یہ لڑکی بہت ہی خوبصورت تھی۔ وہ ریچھ کی طرح ہی چلتی اور بولتی جب اس کا علاج کیا گیا تو وہ اصلی حالت میں تو آ گئی لیکن زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکی جلد ہی اس کی موت ہو گئی۔

بعدالت شیخ مظفر حسین صاحب سول جج سیالکوٹ
مظفر محمد خان ولد سلطان محمد زمان قوم پٹھان
عبدالصمد خان " " " " " "
خورشید محمود خان " " " " " "
نور بیگم بیوہ سلطان محمد زمان " "
سکنائے معرفت بونور برادرز سیالکوٹ نزد آسٹریلیشیا بنک لیمیٹڈ۔ بنام عوام الناس

درخواست حصول سرٹیفکیٹ جانشینی بابت ترکہ سلطان محمد زماں متوفی

ہر گاہ خاص و عام کو بذریعہ اشتہار ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ سائلان مذکور نے درخواست حصول سرٹیفکیٹ جانشینی عدالت ہذا میں گذاری ہے۔ لہٰذا جس کسی کو کوئی عذر و اعتراض ہووے بتاریخ ۲۸/۱/۶۹ حاضر ہو کر پیش کریں۔ آج مورخہ ۱/۶۹ بثبت دستخط ہمارے اور مہر عدالت کے جاری ہوا۔

(دستخط حاکم) (مہر عدالت) (۱۱)

بعدالت جناب ایس محمد شفیع صاحب پی۔ سی۔ ایس سینئر سول جج شیخوپورہ
باختیارات فیملی کورٹ شیخوپورہ مقدمہ نمبر ۸۵/ف۔ک ۱۹۶۸ء
حلیفاں بی بی دختر محمد شفیع قوم جٹ ساکن ٹھٹھیرہ تحصیل فیروز والا
ضلع شیخوپورہ (مدعیہ) بنام:۔
محمد اصغر ولد محمد الٰہی قوم جٹ ساکن کرتو تحصیل فیروز والا ضلع شیخوپورہ
حال قیدی ڈسٹرکٹ جیل شیخوپورہ (مدعا علیہ)

دعویٰ تنسیخ نکاح

مقدمہ مندرجہ عنوان بالا میں حسب استدعا مدعیہ زیر دفعہ ۸ ضمن (۲) فیملی کورٹ ایکٹ سال ۱۹۶۴ء مدعیہ نے دعویٰ تنسیخ نکاح مورخہ ۲۹/۱۱/۶۸ کو عدالت ہذا میں دائر کیا ہے جس کی آئندہ تاریخ پیشی ۲۵/۱/۶۹ مقر ہے لہٰذا آپ اپنا جواب دعویٰ اندر پندرہ یوم عدالت ہذا میں داخ کریں ورنہ آپ کے خلاف کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاوے گی۔

تحریر ۱۲/۶۹ ۱۹

(دستخط حاکم) (مہر عدالت) (۵)

انہیں موسیقی سے محبت اور وائلن سے عشق ہے

ایک شوقیہ وائلن نواز مسٹر اظہر جاوید کی کہانی خود اُن کی زبانی

تحریر: عباس اطہر

موسیقی کسے اچھی نہیں لگتی سب ہی لوگ کسی اچھی دھن کو سن کر لہراتے ہیں لیکن اس دھن کا اثر اکثر ذہنوں پر وقتی سا ہوتا ہے۔ میرے نزدیک موسیقی روحانی غذا ہے جس طرح جسم کی بقا کے لئے خوراک ایک ضروری عنصر ہے۔ اسی طرح ایک اچھی دھن روح کو تازگی اور پریشان ذہن کو سکون بخشتی ہے آج کل کی مصروف اور مشینی زندگی میں اگر انسان چند لمحات کے لئے موسیقی کی صحیح لگن پیدا کرلے تو اسے کافی حد تک سکون مل سکتا ہے۔" یہ بات ایک شوقیہ موسیقار جناب اظہار حسین نقوی ایڈووکیٹ نے ایک ملاقات کے دوران کہی۔

انہوں نے بتایا موسیقی سے ویسے تو مجھے بچپن ہی سے لگاؤ تھا۔ لیکن کالج میں آکر عقلی شعور کے ساتھ ساتھ یہ شوق بھی ایک خاص رنگ اختیار کر گیا۔ اور پھر ضیاء صمد صاحب اور احسان علی خان کا وائلن سن کر دل کو کچھ ایسی آسودگی محسوس ہوئی کہ یہ خود بخود اس طرف کھینچتا چلا گیا۔ ضیاء صمد صاحب تو کچھ عرصہ بعد جرمنی چلے گئے لہٰذا میں جب بی۔ اے میں پہنچا تو احسان علی خان سے وائلن سیکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ انہوں نے معلوم نہیں مجھ میں کیا چیز دیکھی کہ فوراً ہی اس کا (وائلن کا) باقاعدہ سبق شروع کروا دیا اور ساتھ ساتھ الحمرا آرٹس کونسل میں بھی داخلہ کے لئے کہا۔ لیکن وہاں تشنگی پوری نہ ہوئی کیونکہ خان تو زیادہ وقت نہ دے سکتے تھے۔ اور الحمرا کی کلاسز نہ ہونے کے برابر ہی تھیں۔ اسی دوران میں صرف تین ماہ کے ریاض کے بعد میں نے ہیلی کالج آف کامرس میں پہلی مرتبہ سٹیج پر پرفارمنس دی جو کافی پسند کی گئی۔ اس حوصلہ افزائی کے بعد اور احسان خان کے کہنے پر میں نے میوزک ڈائرکٹر تصدق حسین کی باقاعدہ شاگردی کی۔ جو پاکستان کے بہترین وائلن نوازوں میں سے ہیں ساتھ ساتھ خان نے میرا حوصلہ بڑھایا اور ہر فنکشن پر ساتھ لے جاتے رہے۔

تقریباً ایک سال بعد کی وہ رات مجھے کبھی نہ بھولے گی جب ایک ہی رات میں ہم نے چار پروگراموں میں شرکت کی یہ پروگرام نیشنل کالج آف آرٹس، وائی ایم سی اے لاء کالج اور کنٹونمنٹ میں تھے۔ لاء کالج میں آل پاکستان انٹر کالجیٹ میوزک کنسرٹ تھا جس میں میں نے اسلامیہ کالج سول لائنز کی طرف سے حصہ لیا (وائلن بجایا) اور دوم انعام حاصل کیا۔ ٹیم کے طور پر ٹرافی بھی ہم نے جیتی Y.M.C.A میں شوقیہ فن کاروں کا مقابلہ تھا اور طالب علموں کی کوئی قید نہ تھی۔ مقابلہ بہت سخت تھا اور ہم کسی گنتی میں ہی نہ تھے کیونکہ اس میں ریڈیو وغیرہ کے بھی آرٹسٹ حصہ لے رہے تھے۔ احسان خان نے پہلا انعام حاصل کیا اور حیرت مجھے اس وقت ہوئی جب consolation prize کے لئے مجھے بلایا گیا۔ باقی دو جگہ پر صرف cultural shows تھے۔ اس طرح یہ چاروں پروگرام attend کرکے جب میں دو تین بجے رات کو گھر پہنچا تو بہت خوش تھا جو کہ لازمی امر تھا۔ یہ دونوں انعام میری محنت اور شوق کا پہلا سنگِ میل تھے۔ جو میں نے ایک رات میں حاصل کئے تھے بعد ازاں اکثر پروگراموں اور انعام بازی کا سلسلہ جاری رہا۔ لاء کالج میں داخلہ کے بعد پہلے سال F.E.L میں سے صرف میں میوزک ٹیم کے لئے منتخب ہوا اور Stage Manager کا فرض سونپ دیا گیا۔ اس سال ہم نے لاء کالج کی طرف سے تمام مغربی پاکستان کے کالجوں میں منعقد ہونے والے میوزک کے مقابلوں میں حصہ لیا۔ اور تمام جگہ سے ہم ہی ٹرافیاں جیت کر لائے جو کہ نو تھیں اور ہر جگہ سے انفرادی انعامات بھی حاصل کئے۔ یہ ریکارڈ شاید ہی کسی [illegible] کالج کی میوزک ٹیم کا ہو کہ تمام کے تمام مقابلے جیتے ہوں۔ دوسرے سال مجھے لاء کالج میوزک سوسائٹی کا سیکرٹری چن لیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ پنجاب یونیورسٹی میوزک اینڈ ڈرامیٹک سوسائٹی کا صدر بھی مجھے ہی چنا گیا ہر دو جگہ پر فنکشن کروانے کی ذمہ داری مجھ پر تھی۔ اور organizing ڈیوٹی زیادہ تھی۔ لیکن اس فن سے پرخلوص لگاؤ نے کچھ ایسا اثر کیا کہ ہر فنکشن بے حد کامیاب رہا۔ ہر دو سوسائٹیز میں جناب سردار اقبال موکل وائس پرنسپل لاء کالج (Adviser سوسائٹیز) نے عین شفقت اور توجہ سے ہر کام میں میری رہنمائی فرمائی۔

اسی سال پنجاب یونیورسٹی کا ایک وفد مشرقی پاکستان کی یونیورسٹیوں کے دورے کے لئے گیا۔ جس میں میں نے میوزک سوسائٹی کی نمائندگی کی۔ وہاں پر کچھ Functions میں شرکت کرنے کے بعد اور خاص کر بلبل اکیڈمی کو دیکھنے کے بعد یہ احساس ہوا کہ ہم اس فن میں ان سے کتنے پیچھے

از دفتر جناب محمود مشتاق صاحب بٹ ایڈووکیٹ 9/A شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔
مسعود احمد ملک ولد شمس الدین ملک قوم کشمیری مکان نمبر ۵ گلی نمبر ۲۹/۲ محلہ پنج پیر بھارت نگر لاہور۔

بنام

عذرا پروین زوجہ مسعود احمد ملک دختر عزیز الدین قوم کشمیری سکنہ چوک گمٹی بازار نشیشہ موتی مکان نمبر ۱۳۶۷/۲ لاہور

دعوئے اعادہ حقوق زن شوئی

آپ کو بذریعہ اشتہار ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ مسعود احمد ملک مدعی مقدمہ نے آپ کے خلاف دعویٰ اعادہ حقوق زن شوئی بعدالت جناب ملک محمد اقبال صاحب جج فیملی کورٹ لاہور دائر کر دیا ہے جس میں تاریخ پیشی ۲۵/۲/۶۹ مقرر ہے آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ اندر پندرہ ایام جواب دعویٰ وغیرہ عدالت ہذا میں داخل کریں ورنہ آپ کے خلاف کاروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاوے گی۔ نقول وغیرہ آپ کو روانہ کر دی گئی ہیں۔

(مدعی بذریعہ کونسل)

(ل)

ہیں۔ مشرقی پاکستان میں موسیقی اس قدر مقبول ہے کہ ہر گھر میں کم از کم ایک فرد ایسا ضرور ہی ہوگا جسے موسیقی سے لگاؤ ہو۔ جب کہ جہاں اکثر سننے اور بھول جانے تک ہی محدود ہے۔ اس دورہ کے بعد مجھے اس چیز کا اکثر احساس ہوتا تھا کہ ہمارے ہاں بھی ایسے ادارے ہونے چاہئیں جو موسیقی کے فن کو عام کریں اور شوقیہ فن کار زیادہ سے زیادہ عوام سے روشناس ہو سکیں لیکن حالت اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ تعلیمی اداروں اور عام زندگی میں اس فن کو کوئی سرپرستی حاصل نہیں۔ اسی وجہ سے دن بدن یہ رجحان کم ہوتا جا رہا ہے میرے زمانہ تعلیم میں تقریباً ہر کالج میں میوزک فنکشن ہوا کرتے تھے اور کافی لڑکے حصہ لیا کرتے تھے جب کہ اب دونوں چیزیں خالی ہی نظر آتی ہیں یعنی نہ ہی آرٹسٹ ہیں اور نہ ہی فنکشن۔ الحمرا میں موسیقی کی کلاسز بالکل برائے نام سی ہی ہیں اور ان پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ کیا یہ فن پھر صرف ریڈیو یا فلم تک ہی محدود ہو کر رہ جائے گا اور کتنے ہی TALENTS صرف توجہ کی کمی کی وجہ سے ختم ہو جائیں گے کیونکہ نہ ہی انہیں مناسب رہنمائی ملے گی اور نہ ہی ایسے مواقع جہاں وہ اپنے فن کا اظہار کر کے داد حاصل کر سکیں۔

ان چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے احسان خان اور رقیلہ سردار موکل صاحب سے کافی گفت و شنید کے بعد ہم نے ایک سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس کا نام PAKISTAN — CULTURAL GUILD — ہے۔ اس کا آئین وغیرہ تیار ہو گیا ہے۔ اس ادارے کا اصل مقصد شوقیہ فنکاروں کی حوصلہ افزائی اور پوشیدہ TALENTS کو عوام سے روشناس کروانا ہے اس ادارے کا پہلا فنکشن HOTEL AMBASSADOR میں ہم ستمبر ۱۹۶۸ء کے وسط میں کر چکے ہیں جس کی صدارت مشہور فلم سٹار سنتوش کمار اور صبیحہ خانم نے کی تھی اور ادارہ سے ہر قسم کے تعاون کا اعلان کیا تھا۔ آئندہ چل کر ہمارا خیال ایک ACADEMY بنانے کا بھی ہے جہاں شوقیہ فنکاروں کو تربیت دی جا سکے گی۔ دعا کریں ہم اپنے مقصد میں جلد کامیاب ہوں اور اس کمی کو پورا کر سکیں جو آج کل میں محسوس کر رہا ہوں۔

نوٹس زیر دفعہ مغربی پاکستان فیملی کورٹس ایکٹ ۱۹۶۴ء

بعدالت جناب چوہدری محمد رفیق صاحب سول جج

باختیارات جج فیملی کورٹ راولپنڈی

تاریخ پیشی ۱۹-۱-۲۰ ۔ منجانب مساۃ زیتون بی بی دختر غلام قادر قوم آوان سکنہ DD/۱۳۵۴ جھنڈا لیچی راولپنڈی (مدعیہ) بنام غلام محمد ولد نور محمد قوم شیخ سکنہ محلہ داؤد خیل تحصیل عیسیٰ خیل ضلع میانوالی۔

ہرگاہ مدعیہ نے آپ کے نام ایک نالش بابت تنسیخ نکاح دائر ہے۔ لہٰذا آپ بذریعہ تحریر ہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ عدالت ہٰذا میں حاضر ہوں اور جواب دہی دعویٰ کی کریں۔ آپ کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہان کی فہرست معہ پتہ جات و مختصر بیان پر گواہ پیش کریں۔ جس کی شہادت پر آپ استدلال کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو لازم ہے کہ جملہ دستاویزات کی نقول بھی اسی روز پیش کریں۔ واضح رہے کہ مدعیہ نے آپ کو علیحدہ طور پر بذریعہ رجسٹری ڈاک نقل عرضی دعویٰ خود معہ فہرست گواہان بتائید دعویٰ خود ارسال کی ہوئی ہے۔

واضح رہے کہ مدعیہ نے آپ کے خلاف نوٹس اس مضمون کا بذریعہ اشتہار اخبار جہاں نما لاہور و لبسنت لاہور بھی دیا ہوا ہے و نیز واضح رہے کہ اگر آپ اندر میعاد پندرہ یوم از اشاعت نوٹس ہٰذا یا وصولی نوٹس رجسٹری ڈاک (جو بھی پہلے ہو) حاضر نہ ہوں گے تو مقدمہ بغیر آپ کی حاضری کے مسموع اور فیصل ہوگا۔ آج مورخہ ۶/۱/۶۹ کو مہر عدالت اور دستخط سے جاری ہوا۔

(مہر عدالت) (دستخط حاکم)

(۱۵)

بقیہ طنز و مزاح

تو . . لیکن سنا ہے کہ ہمارے ایک بزرگ نے غدر میں ایک افسر کی جان بچائی تھی . . . کچھ ٹھیک طرح . . . سے . . . یاد نہیں لیکن اگر کوشش کروں تو . .

میں نے کہا۔ "وہی میرے دادا کے دادا کی ٹانگ والا قصہ ہے۔

ڈپٹی صاحب بولے۔ کیا کہا آپ نے !

میں نے جواب دیا۔ کچھ نہیں۔ میں تو یہی کہتا ہوں کہ اسے مقابلے کے امتحان میں نہ بھیجئے اور آگے پڑھانے سے بھی کوئی فائدہ نہیں بی اے کی ڈگری محض ایک بے کار سی شے ہے اسے کسی تجارتی کاروبار میں لگا دیجیے "جوتوں کی دکان"!

جوتوں کی دکان ؟ ڈپٹی صاحب نے غصہ سے کہا۔

یا کوئلوں کی دکان ! میں نے آہستہ سے کہا۔

ڈپٹی صاحب فرش پر تھو کتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

تو یہ ہے بی اے کی داستان۔ رنج و عبرت کا مرقع اسے سن کر بی اے والوں کی حالت پر چاہے ہنسئے، چاہے روئیے۔ لیکن ہنسنے کے وقت یہ یاد رہے کہ بی اے مرد بھی ہوتے ہیں اور عورتیں بھی۔ اور آج کل بی اے عورتوں کی حالت اتنی ہی ناگفتہ بہ ہے جتنی بی اے مردوں کی وہ زیادہ سے زیادہ کسی گرل سکول میں ملازم ہو جاتی ہیں اور دن بھر لڑکے لڑکیوں کو لکھاتی پڑھاتی رہتی ہیں ننھے ننھے لڑکے بسورتی ہوئی لڑکیوں اور وہی الف بے تے کی مہارنی۔ بس انہی دھندوں میں پھنس کر بیچلر آف آرٹس ہو کر رہ جاتی ہیں اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ اگر آپ کو بی اے والوں کی حالت پر ہنسی آئے تو یہ امر ذہن میں رکھ لیجئے کہ ان میں بی اے عورتیں بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر تہذیب اگر کو اجازت دے تو شوق سے ہنسئے۔

پری کوالی فیکیشن نوٹس

۵ لاکھ روپے تخمینی لاگت کے ساتھ "متفرق سائز کے کلّے فراہم کرنے" کے سلسلے میں ٹھیکیداروں کو پری کوالی فیکیشن کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں۔ اس کام میں ایک متعین شدہ پروگرام کے تحت تونسہ پنجند لنک کینال کے ساتھ ساتھ متفرق مقامات پر مطلوبہ سائز کے کلّے فراہم کرنے ہیں۔ کلّوں کی تعداد کا تخمینہ متفرق سائز کے ۵۰۰۰۰ کلّے ہے۔ درخواستوں کے ساتھ مندرجہ ذیل دستاویزات شامل ہونی چاہئیں۔

(۱) پیشتر ازیں کئے ہوئے کاموں کا گوشوارہ، اُن کا ذر ٹھیکہ، رقم موصولہ وغیرہ برائے گذشتہ ۵ سال بالخصوص مذکورہ بالا نوعیت کے کاموں کا حوالہ۔

(۲) انجینئر انچارج کی طرف سے (جو ایگزیکٹو انجینئر سے کم رتبہ کا نہ ہو) مذکورہ بالا نمبر شمار (۱) میں مندرج بیانات کی تصدیق کے لئے اصل تصدیق نامے یا اُن سرٹیفکیٹوں کی فوٹو کاپیاں

درخواستیں دستخط کنندہ ذیل کو ۱۶ر جنوری ۱۹۶۹ء سے پہلے موصول ہو جانی چاہئیں اور تمام دستاویزات باقاعدہ طور پر قابلِ اعتماد صورت میں شامل ہونی چاہئیں۔

ڈپٹی پراجیکٹ ڈائریکٹر

تونسہ پنجند لنک سرکل واپڈا کیمپ۔ کوٹ رود ضلع مظفر گڑھ

INF (L) 55

بقیہ:۔ عمرانی جائزہ

کے آگے سرنگوں ہو کر خلوت میں پناہ گزیں ہو گئے ہیں۔ جب وہ دوبارہ برسرِ اقتدار ہوئے تو انہوں نے جو کچھ کیا وہ اپنی بحالی کے لئے کیا۔ ان کے دور میں ان سے وابستہ امیدوں سے ایک بھی بَر نہ آئی۔ بلکہ یہ انہی اور اُن کے رفقاء کی تغافل پیشگی کا نتیجہ تھا کہ جرنیلی بندوبست منصہ شہود پر آیا اور غفلت شعاروں کو آٹھ سال سیاست سے جلاوطن کیا۔ ان کا سیاسی سنیاس کے بعد کا دوبارہ میدانِ سیاست میں اترنا اور پذیرائی حاصل کرنا اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ ان کو قومی مزاج سے ایک ربط ہے اور اگر یہ سرفروش اور مخلص ہوں اور اصول کو حصول پر فائق رکھیں تو قوم ان کی قیادت مسترد نہیں کرے گی۔ لیکن اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے وہ ہے آزمودہ را آزمودن جہل است

اس وقت حزبِ اختلاف کے سرخیل مکرم نوابزادہ نصر اللہ خاں صاحب ہیں۔ ان کو ایک عرصہ احرارِ سیاست سے قلبی وابستگی رہی ہے۔ لیکن یہ ایسے اوصافِ حمیدہ کا زندہ پیکر ہیں اور خلوص اور دیانت کی وجہ سے اتنے نیک نام ہیں کہ جب جماعت احرار روبہ سقوط ہوئی تو مکرم نوابزادہ صاحب پر کوئی حرف نہ آیا۔ وہ احباب میں محترم و مکرم رہے۔ وہ تونگر صورت اور درویش سیرت ہیں وہ خوب پڑھے لکھے ہیں۔ اُن کے خفی اور جلی اوصاف سے کہ وہ تحریکِ جمہوریت کے قائد منتخب ہو گئے۔ لیکن اصولی لحاظ سے وہ یہاں مکرم میاں ممتاز دولتانہ صاحب اور مولانا مودودی صاحب سے اُسی طرح مختلف ہیں جس طرح وہ پہلے تھے اُن کے ساتھ کوئی جماعت نہیں جس کے بل بوتے پر وہ موقع ملنے پر کوئی نظام قائم کر سکیں یا کسی نظام کا وعدہ دے سکیں۔ نہ وہ مولانا مودودی کی طرح سرمایہ داری کے اسلامی جواز کے قائل ہیں۔ حالانکہ وہ نواب ابن نواب ہیں۔ نہ ہی وہ میاں دولتانہ کی یساریت (LEFTISM) کے حامی ہیں۔ وہ بین بین ہیں۔ لیکن یہ صورت تذبذب کی ہے۔ جمود اور تذبذب سے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ جوان طبقے کے محبوب لیڈر جناب ذوالفقار علی بھٹو آٹھ سال مسندِ اقتدار کے شریک رہے۔ لیکن جب تک رہے بوئے گل بن کر رہے۔ جب نالۂ دل بنے تو تھوڑے عرصے کے بعد دودِ چراغِ محفل بن کر باہر نکل آئے۔ چونکہ نامۂ اعمال میں میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس کو حکومت اچھال سکتی۔ وہ بڑی بے باکی سے میدانِ عمل میں آ گئے۔ امیر ابن امیر ہوتے ہوئے انہوں نے وہ رستہ چنا جو شہادت گہہِ الفت" کا تھا۔ اس لئے ان کو جوان طبقے میں بڑی پذیرائی نصیب ہوئی وہ ابھی اُترنے بھی نہ پائے تھے کہ اسیر ہو کر داخل زنداں ہو گئے۔ لیکن ان کی زندانی نے سیاست میں زندگی پیدا کر دی ہے۔ ان کی اسارت کے بعد مکرم ائیر مارشل اصغر خاں صاحب کے نئے ولولۂ اجلال نے سیاسی روح کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے اربابِ اختیار پر اس واشگاف طریق سے تنقید کی ہے کہ تحریکِ جمہوریت والے بھی ابھی تک اس بے باکی سے محترز تھے۔ انہوں نے بے زبان سیاست کو بے خوف زبان دی ہے۔ لیکن اپوزیشن کی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کا عزم ابھی الفاظ کے اندر محصور ہے۔ اس وقت ملکی صورتِ حال سے یہ ثابت ہے کہ عوام نے حزبِ اختلاف کے لیڈروں کا پوری طرح ساتھ دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ لیڈر بھی اپنے ذاتی تعصبات ترک کر کے عوام کا ساتھ دیتے ہیں۔ یا خلفشار سے شرمسار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ابھی مکرم بھٹو کی طرف سے اعلان ایک دلدوز صدمہ بن کر آیا ہے اور جماعتوں کے اتحاد کو شعلۂ مستعجل ثابت کر رہا ہے۔ اگر آغاز کا یہ حال ہے تو انجام کیا ہو گا۔

رگ و پے میں جب اترے زہرِ غم تب دیکھئے کیا ہو
ابھی تو تلخیٔ کام و دہن کی آزمائش ہے!

دل کی برائی!

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا:۔
وہ شخص جس کے دل میں برائی ہے بھلائی نہ پائے گا۔
اور جس کی زبان میں نکتہ چینی ہے آفت میں گرے گا۔

بعدالت شیخ مظفر حسین صاحب سول جج سیالکوٹ

نور بیگم بیوہ سلطان محمد زمان قوم پٹھان
جمیلہ خاتون۔ سعید کشور دختران سلطان محمد زمان
مظفر محمد زمان۔ عبدالصمد خاں۔ ڈاکٹر نذیر احمد
خورشید محمد زمان پسران سلطان محمد زمان قوم پٹھان
سکنائے معرفت برلور برادرز سیالکوٹ۔ بنام عوام الناس

درخواست حصول سرٹیفکیٹ جانشینی بابت ترکہ
سلطان محمد زمان متوفی

بذریعہ اشتہار ہذا ہر خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ سائلان مذکور نے درخواست حصول سرٹیفکیٹ جانشینی عدالت ہذا میں گزاری ہے۔ لہٰذا عوام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ جس کسی کو کوئی عذر یا اعتراض ہو وے بتقرر ۲۸/۱/۶۹ حاضر ہو کر عدالت میں پیش کریں۔

آج مورخہ ۹/۱/۶۹ بثبت دستخط ہمارے اور مہر عدالت کے جاری ہوا

(۱۰) (مہر عدالت) (دستخط حاکم)

از دفتر کمال الدین مرزا ایڈووکیٹ ممتاز منزل لیمن سٹریٹ
ہال روڈ لاہور۔

مسماۃ کشور بیگم دختر میاں معراج الدین قوم کشمیری ساکن ۱۵۸ اللہ بخش روڈ کوارٹر قمرالدین بٹ نمبرا وسن پورہ لاہور (مدعیہ) بنام محمد اسلم بٹ ولد محمد حسین بٹ قوم کشمیری ساکن مکان نمبر ۱۹ غازی سٹریٹ نمبر ۱۶ گڑھی شاہو لاہور (مدعا علیہ)

تاریخ پیشی ۱۲/۱/۶۹۔ دعوٰے دلاپانے مبلغ ۔/۲۰۰۱ روپیہ بابت حق مہر
نوٹس زیر دفعہ ۸ (۲) دی ویسٹ پاکستان فیملی کورٹ ایکٹ ۳۵ آف پاکستان ۱۹۶۴ء بنام (مدعا علیہ)

آپ کو بذریعہ نوٹس ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ مدعیہ مذکورہ بالا نے دعوٰے دلاپانے حق مہر مبلغ ۔/۲۰۰۱ روپیہ آپ کے خلاف دائر کر دیا ہے۔ جو بعدالت جناب سید امجد حسین بخاری جج فیملی کورٹ لاہور میں زیر غور ہے۔ لہٰذا آپ اندر میعاد پندرہ یوم جواب دعوٰے حسب ضابطہ عدالت موصوف میں داخل کریں۔ عدم تعمیل کی صورت میں یکطرفہ کاروائی آپ کے خلاف ناگزیر ہو گی۔ آپ کو بذریعہ رجسٹری A.D حسب ضابطہ دعوٰے کی نقول دستاویزات ارسال کر دی گئی ہیں۔ (۳۱۶۹)

(مدعیہ بذریعہ کونسل)

(۱۲)

از دفتر چوہدری محمد صادق تارڑ صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی
ایڈووکیٹ منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات

بشیراں دختر غلام علی قوم گوجر ساکن قلعہ واسو تحصیل پھالیہ ضلع گجرات (مدعیہ) بنام:۔ نبی بخش عرف منو ولد مولا بخش قوم گوجر سکنہ چک نمبر ۲۲۸ گ ب نارا ڈاڑا تحصیل سمندری ضلع لائل پور۔

دعویٰ تنسیخ نکاح

ہرگاہ مسماۃ بشیراں نے بعدالت جناب چوہدری انور علی صاحب سول جج منڈی بہاؤالدین فیملی کورٹ ضلع گجرات میں آپ کے خلاف دعویٰ تنسیخ نکاح دائر کر دیا ہے۔ جس میں تاریخ پیشی ۲/۱/۶۹ مقرر ہو چکی ہے۔ لہٰذا آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ حسب منشاء دفعہ ۸ ضمن (۲) مغربی پاکستان فیملی کورٹس ایکٹ مجریہ ۱۹۶۴ء آپ نوٹس ہذا کی تاریخ مشتہری سے ۱۵ دن کے اندر اندر عدالت مذکور میں حاضر ہو کر جواب دعویٰ معہ شیڈول گواہان و جملہ دستاویزی شہادت داخل کریں بصورت دیگر آپ کے خلاف حسب ضابطہ کاروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاوے گی۔

(مدعیہ بذریعہ کونسل)

(۲۰)

بقیہ:۔ بھارتی مسلمان

ہیں انہوں نے ظاہر کئے ہیں بنارس میں بھی گرو جی نے ان ہندوؤں کو ہندو سماج سے نکال دینے کا مشورہ دیا جو اقلیتوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

ہندو مہا سبھا کے نائب صدر مہنت رگھو جے ناتھ نے مئو ناتھ بھنجن میں تقریر کرتے ہوئے گرو گول والکر سے دو قدم آگے بڑھ کر کہا کہ ہندوستان سے وفاداری کی تین شرطیں ہیں۔ ہندی زبان، گائے کا تحفظ اور شری کرشن جی کو اپنا آقا ماننا۔ انہوں نے کہا کہ ملک کے مسلمان ہماری ہی بدولت زندہ ہیں اگر انہیں اس ملک میں رہنا ہے تو ہندو تہذیب و تمدن میں ضم ہو کر رام چندر اور شری کرشن جی کے پاک دیش کی حفاظت کرنی ہوگی انہوں نے کہا کہ وہ مسلمان جو ہمارے راشٹریہ اصولوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں ہم ان کو ہوائی جہاز اور زادِ راہ فراہم کر دیں گے وہ اس ملک سے چلے جائیں۔

آج ملّتِ اسلامیہ کی کشتی کو جو خطرہ درپیش ہے اور اسے جس طوفان کا مقابلہ کرنا ہے مذکورہ بالا سطور سے اس کا ایک واضح نقشہ سامنے آجاتا ہے لیکن صدمہ اور افسوس اس بات کا ہے کہ آج طوفان کشتی کے باہر ہی نہیں کشتی کے اندر بھی ہے۔ آج جب کہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان آپس کے تمام اختلافات کو بھلا کر ایک ہو جائیں اور اس طوفان سے کشتی کو صحیح و سلامت نکال لے جانے کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں وقف کر دیں اندرونی افتراق و انتشار کو ہوا دینے کی کوشش کی جا رہی ہے مسلک و عقائد کے اختلافات کو آڑ بنا کر مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹا جا رہا ہے تلخی اور نفرت کو ہوا دے کر ان کو ٹکرایا جا رہا ہے کہیں قبرستان میں جنازہ دفن کرنے کے سوال پر جھگڑا ہے کہیں مسجد میں امامت کا تنازعہ ہے کہیں مدرسہ میں قفل لگ رہا ہے کہیں مدرس کو برطرف کیا جا رہا ہے۔ کہیں امام کو نکالنے کا نوٹس دیا جا رہا ہے لیکن ہم یہ پوچھتے ہیں کہ یہ کون سا محل ہے۔ یعنی بریلوی، دیوبندی، وہابی اور غیر وہابی کے جھگڑے کھڑے کرنے کا؟ ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں اور آج پوری کشتی طوفان کے نرغے میں ہے اگر آج توحید و رسالت اور قرآن پر یقین رکھنے والے سارے لوگ مل کر اپنی کشتی کو طوفان سے نکال لے جائیں تو یہی ان کا بہت بڑا کارنامہ ہوگا لیکن اگر ہم نے خود کو حالات کے چیلنج کا جواب دینے کا اہل ثابت نہ ہوئے اور چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں پھنسے رہے تو خدانخواستہ ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ ہمیں اسلام سے ہی ہاتھ دھونا پڑے

ہر مسلمان کو خواہ اس کا عقیدہ اور مسلک کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ٹھنڈے دل سے ان باتوں پر غور کرنا چاہیئے اگر اس کے دل میں اسلام کی ذرا سی بھی محبت ہے اور اگر وہ چاہتا ہے کہ اس ملک میں کلمۂ توحید و رسالت سربلند رہے تو اسے نئے نئے فتنوں سے جو مختلف شکلوں میں ابھر رہے ہیں اور جس سے مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا ہو رہا ہے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے بلکہ اتنا ہی کافی نہیں۔ اسے اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی ان فتنوں سے بچانا چاہیئے۔

بقیہ:۔ جنسی جرائم

مطالعہ کرنے پر مصروف ہیں۔ وہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے صورتِ حال بہت بہتر ہو گئی ہے جنسی جرائم میں کمی کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ اس کی وجہ غالباً یہ بھی ہے کہ ڈنمارک نے فحش کتابوں کی اشاعت پر پابندی کے خاتمے کے ساتھ ساتھ سکولوں میں ابتدائی جماعتوں سے ہی جنسی تعلیم رائج کر دی ہے جس کے باعث اب لوگ جنس کے بارے غلط تصورات قائم نہیں کرتے اور ان کا رویہ شروع ہی سے صحت مندانہ ہوتا جا رہا ہے اس کے علاوہ بڑھتی ہوئی جنسی آزادی کے باعث بھی جرائم میں کمی ہو رہی ہے۔

ڈنمارک میں پہلی جماعت سے ہی جنسی تعلیم شروع کر دی جاتی ہے جو چھٹی جماعت تک تقریباً مکمل ہو جاتی ہے اس کے بعد اس تعلیم میں چند برس کا وقفہ دے دیا جاتا ہے کیونکہ جس عمر میں بچے سِن بلوغت کو پہنچنے والے ہوتے ہیں اس وقت اس قسم کی تعلیم مفید شمار نہیں کی جاتی۔ اس کے بعد سکول کے آخری دو برس کے نصاب میں جنسی تعلیم پھر شروع کر دی جاتی ہے اور اس کے دوران ان کو خاندانی منصوبہ بندی کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔

ڈنمارک کے ماہرین اپنی کامیابی پر خوش ہیں لیکن وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ڈنمارک کے اس تجربے کے طویل المیعاد نتائج کے بارے میں انہیں کچھ معلوم نہیں وہ نہیں کہہ سکتے کہ آئندہ نسل پر ان کے اس اقدام کا کیا اثر مرتب ہوگا۔

ازدفتر مولوی نور الحق صاحب بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ
دیپالپور ضلع ساہیوال۔

سردار علی ولد چراغدین راجپوت ساکن دیپالپور تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال (مدعی) بنام ۱۔ فرید بیگم زوجہ سردار علی ۲۔ مسماۃ سرداراں زوجہ نبی بخش۔ ۳۔ انور علی ولد نبی بخش اقوام راجپوت سکنائے پاکپتن ضلع ساہیوال (مدعا علیہم)

دعویٰ اعادہ حقوق زن وشوئی

ہرگاہ مسمی سردار علی نے فیملی کورٹ پاکپتن ضلع ساہیوال میں آپ کے خلاف دعویٰ اعادہ حقوق زن وشوئی دائر کر دیا ہے جس میں تاریخ پیشی ۲۴/۱/۶۹ بمقام دیپالپور مقرر ہو چکی ہے۔ لہٰذا آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ حسب منشاء ۸ ضمن (۲) مغربی پاکستان فیملی کورٹس ایکٹ مجریہ ۱۹۶۴ء آپ نوٹس ہٰذا کی تاریخ مشتہری سے ۱۵ دن کے اندر اندر عدالت مذکورہ میں حاضر ہو کر جواب دعوےٰ معہ شیڈول گواہان وجملہ دستاویزی شہادت داخل کریں بصورت دیگر آپ کے خلاف حسب ضابطہ کاروائی یکطرفہ عمل میں لائی جائے گی۔

(مدعی بذریعہ کونسل)

(۱۶)

ازدفتر راؤ محمد اجمل خاں بی۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ
دیپالپور۔ ضلع ساہیوال

عبدالرشید ولد صلعدار قوم راجپوت۔ چک وڈاکخانہ بھومن شاہ۔ تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال ... (مدعی)

بنام: غلام فاطمہ زوجہ عبدالرشید۔ جمال دین عرف جمالا۔ حسنہ زوجہ جمال دین۔ ساکنان گنجے قلعہ۔ ڈاکخانہ کھڈیاں تحصیل قصور ... (مدعا علیہم)

دعویٰ اعادہ حقوق زن وشوئی

ہرگاہ مسمی عبدالرشید نے فیملی کورٹ پاکپتن ضلع ساہیوال میں آپ کے خلاف دعویٰ اعادہ حقوق زن شوئی دائر کر دیا ہے۔ لہٰذا آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ حسب منشا دفعہ ۸ ضمن (۲) مغربی پاکستان فیملی کورٹس ایکٹ مجریہ ۱۹۶۴ء آپ نوٹس ہٰذا کی تاریخ مشتہری سے ۱۵ دن کے اندر اندر عدالت مذکورہ میں حاضر ہو کر جواب دعویٰ معہ شیڈول گواہان وجملہ دستاویزی شہادت داخل کریں بصورت دیگر آپ کے خلاف حسب ضابطہ کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاوے گی۔

(مدعی بذریعہ کونسل)

(۱۸)

دوستی ایک خود پیدا کردہ رشتہ ہے

دشمن ایک بھی بہت ہے اور دوست زیادہ بھی تھوڑے ہیں۔

غریب وہ ہے جس کا کوئی دوست نہ ہو۔

جہان نما لاہور

۱۶ جنوری ۶۹ء

707
صابن
FEROZSONS
707
FEROZSONS
707
کم خرچ
لا تعداد
اجلی دُھلائی
فیروز سنز لیبارٹریز لمیٹڈ نوشہرہ

AIM

FZS 2U68

Weekly "JAHAN NUMA" Lahore

Regd. L. No. 7715

گل

وناسپتی

Gul VANASPATI
CONTAINS VITAMIN A & D
گل بناسپتی
۱۰ پونڈ
ASSOCIATED INDUSTRIES LTD
NOWSHERA
Gul VANASPATI
CONTAINS VITAMIN A & D
گل بناسپتی
۱۰ پونڈ
ASSOCIATED INDUSTRIES LTD
NOWSHERA

کھانوں کو لذّت
اور جسم کو توانائی بخشتا ہے۔

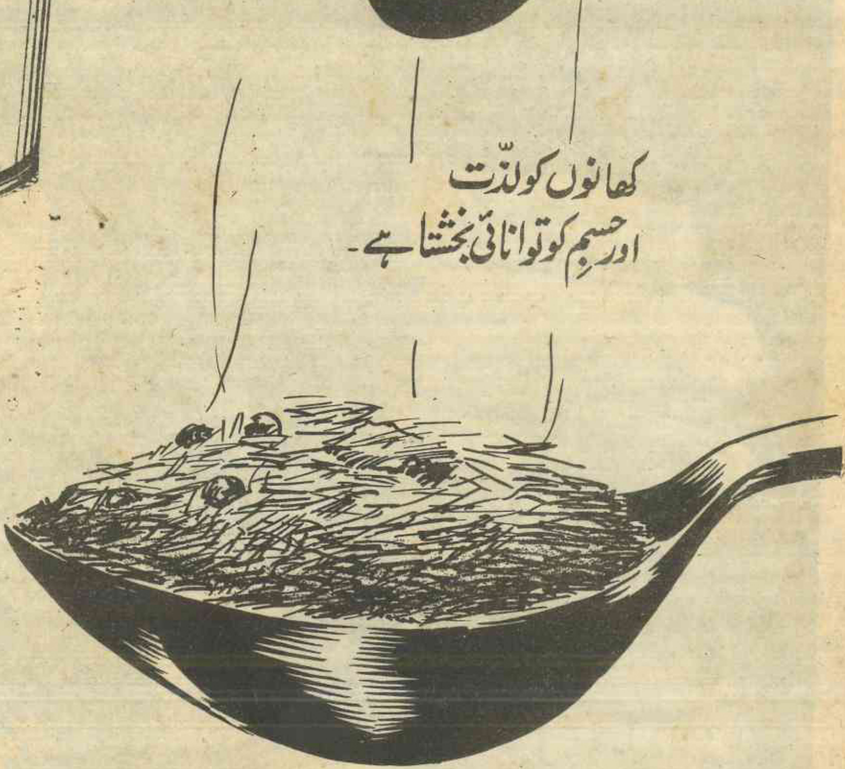

لذیذ اور صحت بخش
—
کھانوں کی تیاری کیلئے
خواتین کا پہلا انتخاب

سول ایجنٹ
رہبر نیوز ایجنسی
بمبئی بازار کراچی نمبر ۲

تیار کردہ:
ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز لمیٹڈ — نوشہرہ

ناشر: شریف فاروق — طابع: میاں عبدالمجید شاہنواز پریس لاہور — مقام اشاعت: ۳/۲۲ ایبٹ روڈ۔ لاہور